

محمد طارق اقبال
مولانا
پاکستانی یو اینٹ
شوکت تھانوی

MAULANA
BY
SHAUKAT THANAVI
PRICE RS. 125/-
YEAR OF PUBLICATION 2002

(۱)

میں واڑھی نہیں رکھتا۔ سر نہیں گھناتا۔ شرعی پاجامہ نہیں پہنتا۔ لبا کرتا
اور چو گوشیہ ٹوپی بھی میرے لباس میں شامل نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود حج
صاحب کے یہاں میرا نام ”مولانا“ پڑ گیا ہے۔ یہ نام دراصل حج صاحب
کی صاحبزادی ”نزهت“ نے مجھ کو عطا فرمایا ہے اور اب سب ہی مجھ کو مولانا
کہتے ہیں۔ خود حج صاحب ان کی اہلیہ محترمہ ان کے بھتیجے شفقت صاحب
ان کے بھانجے اعجاز صاحب اور حد یہ ہے کہ ان کے نوکر چاکر سب مولانا
کہنے لگے ہیں اور میں ان کے گھر میں اچھا خاصہ لطیفہ بن کر رہ گیا ہوں۔
قصور صرف یہ ہوا کہ ان کے گھر آ کر حسب عادت میں نے نماز جو پڑھی تو

پبلشرز

آہلوالیہ بکڈ پوز

9988 نیوروتھک روڈ، گلی نمبر 6، سرائے روہیلا

پوسٹ بکس نمبر: 2507 نیودہلی 110005

Ph. Shop: 5740142

P.P.: 5757987

Resi. 7342921

سارا گھر میرے گرد اس طرح جمع ہو گیا، گویا میں کوئی کرتب دکھا رہا ہوں۔ سب سے پہلے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے نزہت نے دیکھا۔ اور وہ ایک دم چیخ اٹھی ”گڈ لارڈ نماز!“ اور پھر اس نے بھاگ بھاگ کرا ایک ایک کو بلانا شروع کر دیا۔ ”شفقت صاحب! ذرا ان کو دیکھو۔ یہ نماز پڑھتے ہیں!“ اور پھر صحن میں جا کر اس نے آواز دی۔ ”اے عجاز! ادھر آؤ جلدی سے“ ارے شہاب صاحب نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس کی اس چیخ و پکار نے سارے گھر کو میرے چاروں طرف جمع کر دیا اور تو اور خود حج صاحب بھی اپنے دانتوں میں پاپ دبائے ہوئے آمو جود ہوئے اور نزہت نے ان سے بھی کہا ”ڈیڈی دیکھئے تو سہی! یہ تو مولانا نکلے۔ نماز پڑھ رہے ہیں“ اور حج صاحب کی بھاری بیگم صلابہ تشریف لائیں تو ان کو بھی یہ تماشا دکھایا گیا۔ ”مہی جلدی دیکھئے ان کو نہیں تو پڑھ چکیں گے نماز“۔

میں نے سلام پھیرا تو سب ہنس ہنس کر مجھ کو دیکھ رہے تھے۔ حج صاحب نے اپنے مصنوعی دانتوں میں پائپ کو مضبوط پکڑ کر کہا۔ ”بھئی! تم تو بڑے اللہ والے نکلے بے بی نے نام اچھا رکھا ہے تمہارا مولانا“۔

بیگم صلابہ نے ایک جھٹکے کے ساتھ ہنس کر فرمایا۔ ”بس مولانا ٹھیک ہے میں بھی مولانا ہی کہوں گی“۔

نزہت نے پوچھا۔ ”کیا آپ روز نماز پڑھتے ہیں؟“

عرض کیا۔ ”روز ہی نہیں بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ“ شفقت اپنی نائی درست کرتے ہوئے بولے۔ ”پہلے ارلی ٹی کی نماز۔ پھر لچ کی۔ پھر آفٹرنون ٹی کی نماز“۔

میں نے گھبرا کر کہا۔ ”یہ نام نہ رکھئے نمازوں کے بلکہ جو نام ہیں وہی رہنے دیجئے۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء“۔

حج صاحب نے فرمایا۔ ”بھئی چائے یہیں منگا لو۔ میرا سے کھوٹرائی میں لگا کر چائے اسی طرف لے آئے“۔

اور اس حکم کے تھوڑی ہی دیر بعد چائے کی ٹرائی اسی کمرے میں ریگ آئی۔ جو مجھ کو دیا گیا تھا۔ یہاں اب تک میری نماز ہی موضوع بحث تھی اور طرح طرح سے میری نماز پر تعجب کیا جا رہا تھا۔ صبح جلدی نماز کے لئے کوئی کیسے اٹھ سکتا ہے! یہ نماز پڑھنے والے اگر کہیں لچ پر جائیں تو کیا کریں گے؟ اور سرکاری دفاتروں میں یہ نماز کیسے پڑھتے ہوں گے؟ سب سے زیادہ حیرت تھی عصر اور مغرب کی نمازوں پر کہ یہ وقت تو سیر و تفریح کا ہوتا ہے۔ اس وقت نماز کیسے ہو سکتی ہے؟ نزہت نے تعجب سے پوچھا:

”آپ کبھی کبچر نہیں دیکھتے مولانا؟“

میں نے کہا۔ دیکھتا ہوں، مگر نماز کے وقت بچا کر مثلاً یا تو میٹھی شود کچھ لیا۔ ورنہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد آخری شو میں چلا گیا۔

حج صاحب نے چائے کی طرف متوجہ کیا۔ ”بھئی چائے بھی تو دو

اعجاز صاحب نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ ”پہلے پوچھ تو لیجئے۔ ممکن ہے کہ مکروہ ہو۔“

نزہت نے ہنس کر کہا۔ ”نہیں خیر چائے تو مکروہ نہ ہوگی۔ مگر یہ بسکٹ البتہ انگریزی چیز ہیں اور یہ ایک تو خالص کافروں کی غذا ہے۔“

شفقت نے کہا۔ وہ کم بخت بغیر وضو کئے یہ چیزیں بناتے ہیں اور جو انڈے اس میں ملائے گئے ہیں۔ وہ بھی شاید ہی ذبح کئے ہوں۔“

نج صاحب نے ہنس کر فرمایا ”بڑے شریر ہیں یہ لڑکے۔ بھئی! یہ ان کی خاندانی خصوصیت ہے۔ ان کے باپ کو بھی میں نے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ خود ہمارے گھر میں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک جا نماز تھی۔“

نیگم صاحب نے کہا۔ خیر اگلے وقتوں کے لوگ تو پڑھا کرتے تھے نماز۔ میں نے خود بابا جان کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

اعجاز صاحب نے کہا۔ ”آنٹی پڑھنے کو تو اب بھی بہت سے پڑھتے ہیں۔ جمعہ کے دن ذرا جا کر دیکھئے کہ مسجدیں بھر جانے کے بعد سڑکوں تک نماز پڑھنے والوں کی لائیں نظر آتی ہیں۔“

نج صاحب نے پائپ میں تازہ تمباکو بھرتے ہوئے فرمایا ”مجھے مولانا تمہاری نماز سے زیادہ اس بات پر تعجب ہے کہ تم ایم۔ ایس۔ سی کیسے ہوئے؟“

نزہت نے کہا۔ ”کیا واقعی آپ ایم۔ ایس۔ سی ہیں مولانا؟ نظر تو نہیں آتے۔“

میں نے ان کی گفتگو سے پورا لطف لیتے ہوئے کہا۔ ”حالانکہ نظر آتا چاہئے تھا۔ خواہ نہ بھی ہوتا۔“

نج صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”اچھی بات کہی۔ دل سڈ۔ آدمی خوش مذاق ہو۔ میں نے تم کو بہت ہی چھوٹا دیکھا تھا اور اس وقت کی صورت بھی یاد نہیں۔ اس لئے کہ غور سے نہیں دیکھا تھا۔ پھر میں ولایت چلا گیا اور اس کے بعد ملازمت کے چکر میں ادھر ادھر رہا۔ ویسے رشتہ داری تو بہت ہی قریب کی ہے۔ تمہارے والد میرے چچا کے بیٹے گویا بھائی ہوئے اور اس رشتے سے تم کیا ہوئے؟ نتیجتاً ہی تو ہوئے نا؟“

نیگم صاحب نے کہا۔ ”تو یہ ہے۔ یہ رشتہ داری کے چکر بھی عجیب ہوتے ہیں۔ میری سمجھ میں تو آئے نہیں کبھی یہ رشتے۔“

نج صاحب نے کہا ”نہیں خیر یہ رشتہ تو اتنا پیچیدہ نہیں ہے۔ البتہ ان کی ماں کی طرف سے جو رشتہ ہے۔ وہ ہے کچھ گڑبڑ۔ یعنی وہ میرے ماموں کے خالہ زاد بھائی۔ حالانکہ وہ بھی ایک قسم کے ماموں ہی ہوئے۔ بہر حال ان کی بیٹی ہیں تو میں اس رشتے کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مولانا تم سگریٹ پیتے ہو؟“

شفقت نے کہا۔ ”لاحول ولا قوۃ۔ بھلا سگریٹ اور حضرت مولانا

صاحب قبلہ!

نیگم صاحبہ نے کہا۔ ”تم اس بے چارے کے پیچھے ہی پڑ گئے۔ نماز پڑھنا کوئی اتنا بڑا عجیب تو نہیں ہے۔“

نزہت نے کہا۔ ڈیڈی آپ کو یاد ہے کہ وہ خانساں جو ہر وقت بس نماز ہی پڑھا کرتا تھا اور آپ نے اس کو نکال دیا تھا کہ جا کر کسی مسجد میں نوکری کر لو۔ یہاں تم نماز پڑھنے کے لئے نوکری نہیں ہو۔“

نج صاحبہ نے کہا۔ وہ اور بات تھی۔ وہ تو دراصل کام چور تھا۔ صبح دیکھتے تو نماز۔ دوپہر کو دیکھتے تو نماز۔ جب اس کو آواز دی جواب ملا کہ نماز پڑھ رہا ہوں۔ پھر گندہ بہت تھا۔ مجھ کو ہمیشہ ڈرتا تھا کہ کہیں اس کی داڑھی کا بال کسی کھانے میں نہ آ جائے۔“

نیگم صاحبہ بولیں۔ ”اس کے تو ماتھے پر نماز پڑھتے پڑھتے کالا سا نشان بھی پڑ گیا تھا۔“

نج صاحبہ پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ ”ہاں تو مولانا! پھر کیا ہے تمہارا پروگرام؟ تمہارے والد نے تو یہی لکھا تھا کہ یہاں کسی کالج میں پروفیسری مل رہی ہے تم کو۔ میں اگر کچھ ترسکتا ہوں تو مجھ کو بتانا۔“

عرض کیا۔ ”جی نہیں۔ آپ کو زحمت دینے کی غائباً ضرورت نہ ہوگی۔ تمام معاملات طے ہو چکے ہیں۔ کل جا کر کالج کے ذمہ داروں سے مل ملاؤں گا۔“

نزہت نے کہا۔ مگر آپ کالج میں پڑھائیں گے کیا؟ آپ کو تو نمازوں ہی سے فرصت نہ ملے گی۔“

میں نے کہا۔ ”جی نہیں۔ نماز کبھی فرائض میں محل نہیں ہوتی۔ نماز پڑھنے والے اپنے پروگرام اسی حساب سے مرتب کر لیتے ہیں۔“

اعجاز نے کہا۔ مگر مولانا! یہ کیا قیامت ہے کہ آپ نماز پر ہیزگار آدمی اور داڑھی بھی موٹے ہیں دنیا داروں کی طرح!

میں نے ذرا کھل کر بات کی۔ ”آپ نے میرے متعلق بالکل غلط انداز کیا ہے۔ میں خود نہایت دنیا دار قسم کا آدمی ہوں۔ بس نماز کی کچھ عادت سی پڑ گئی ہے۔ اور چونکہ نماز سے مجھ کو ایک قسم کا سکون حاصل ہوتا ہے کہ اور کچھ نہیں تو کم سے کم یہی ایک فرض ادا ہو رہا ہے۔ لہذا اپنے اس سکون کے لئے پڑھتا رہتا ہوں نماز۔ نماز کے علاوہ میں خود ان فرائض سے بیگانہ ہوں جو ایک مسلمان پر مذہباً عائد ہوتے ہیں۔“

نج صاحبہ نے فرمایا۔ ”سب سے بڑا فرض ہے اپنی ایک پوزیشن بنا کر اس پر قائم رہنا۔ یہ سب کچھ دراصل مختلف قسم کی تربیتوں کے نتائج ہوتے ہیں۔ چونکہ تمہارے یہاں نماز کے چرچے تھے۔ لہذا تم پڑھنے لگے نماز۔ ورنہ میرے نزدیک سب سے بڑی عبادت یہی ہے کہ انسان برائیوں سے بچتا رہے۔“

نزہت نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”ڈیڈی میرا اور شفقت کا

آج بڑے دعووں کا بیڈنٹن میچ ہے۔ میں تو چلی۔ اگر آپ کو دیکھنا ہو۔ تو کورٹ پر آ جائیے گا۔“

شفقت بولا۔ ”انکل کن آنکھوں سے دیکھیں گے تمہارا ہارنا؟“
میں نے کہا۔ صاحب یہ میچ تو میں بھی دیکھوں گا۔ نماز پڑھ کر ابھی حاضر ہوا۔“

(۲)

ملازمت تو گویا طے ہی تھی۔ رسی سے انٹرویو کے بعد معاملات طے ہو گئے۔ مگر اب سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ رہنے کو مکان کہاں سے لائیں۔ یہاں ان لوگوں کے پاس مکان نہ تھا جو کئی سال سے مکان کی امید میں ہوٹلوں کو آباد کئے ہوئے تھے۔ خود ہمارے کالج کے کئی پروفیسر ہوٹل میں رہ رہے تھے۔ ایک صاحب زبردستی کسی مکان پر قبضہ جمائیٹھے تھے۔ ان پر مقدمہ چل رہا تھا اور ایسے تو بہت سے تھے۔ جو کالج کا وقت ختم ہوتے ہی محکمہ آباد کاری کے دفتر کی حاضری کو اپنے روزانہ کے پروگرام میں شامل کئے

ہوئے تھے۔ میں نے جب کالج کے ایک آدھ دوست سے مکان کی ضرورت کا اظہار کیا۔ تو خواہ مخواہ اپنی ہنسی اڑوائی کہ ذرا آپ کو دیکھئے۔ بقول شخصے کے آمدی کے پیر شدی۔ ابھی تشریف لائے ہیں اور ابھی سے مکان کے حقدار بھی بن گئے اور صاحب آپ کو بھلا مکان کی کیا ضرورت ہے۔ نج صاحب کی اتنی شاندار کوشی میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور یہ کفران نعمت ملاحظہ ہو کہ پھر بھی مکان ڈھونڈ رہے ہیں۔ اب کسی کو ہم کیا بتاتے کہ نج صاحب کے یہاں ہماری کیا حیثیت تھی۔ ویسے اس میں شک نہیں کہ نج صاحب کے یہاں مجھ کو ہر طرح کا آرام تھا۔ وہ خود ان کی بیگم صاحبہ! حد یہ ہے کہ نہت بھی میرے آرام کا پورا خیال رکھتی تھی۔ مگر وہی مثل کہ ایک دن مہمان دوسرے دن بلائے جان تیسرے دن بے ایمان۔ آخر میں نے ایک دن سب کا موڈ نہایت خوشگوار دیکھ کر یہ ذکر چھیڑ دیا۔

بیچا میاں ملازمت دلوانے کے سلسلے میں آپ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتا چاہتے تھے۔ اس کی تو خیر ضرورت پیش آئی نہیں۔ مگر مکان دلوانے کی تکلیف تو غالباً آپ ہی کو دینا پڑے گی۔

نج صاحب نے جملے ہوئے پائپ کی راکھ جھاڑ کر تازہ تمباکو بھرتے ہوئے کہا ”میں بھی تمہارے والد کو یہی مشورہ دینے والا تھا کہ قصباتی جاکد کو نج باج کر شہر میں مکان خریدیں تو گویا تم نے بھی یہی طے کیا ہے۔“

میں نے گھبرا کر کہا۔ ”جی یہ مطلب نہیں میرا۔ مکان خریدنے کا ارادہ

نہیں ہے بلکہ کرایہ کا مکان۔“

بیگم صاحبہ یعنی چچی جان نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ”کرایہ کا مکان؟ وہ کیا کرو گے؟“

میں نے کہا۔ ”اس میں رہنے کا ارادہ ہے۔“

نہت نے کہا۔ ”تو کیا مولانا آپ کے ڈیڈی اور آپ کی می بھی یہاں رہنے کے لئے پہنچنے والی ہیں۔“

نج صاحب نے نہت کو ٹوکا۔ ڈارلنگ! ان کے ڈیڈی تمہارے انکل ہوئے نا۔ اور ان کی می تمہاری آنٹی ہیں۔ تم کو انکل اور آنٹی کہنا چاہئے نا۔ ہاں تو مولانا کیا واقعی سب یہاں آرہے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”جی نہیں۔ ان کا تو ارادہ نہیں ہے۔ مگر مجھے بھی تو آخر رہنا ہے۔“

نج صاحب نے بڑی سادگی سے کہا۔ وہ تو غالباً تم رہ رہے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہاں رہ رہے ہوتا۔“

نج صاحب سے اب ذرا کھل کر بات کرنا ہی پڑی۔ ”جی ہاں! رہ تو رہا ہوں۔ مگر آخر کب تک؟ رہنا تو اب مستقل ہی پڑا اور یہ یقیناً میری زیادتی ہوگی کہ بس یہیں رہ پڑوں۔“

نج صاحب نے پائپ منہ سے نکال کر آنکھیں گول کرتے ہوئے فرمایا۔

”ناسنس‘ یہ کیا بات کہی تم نے؟ مولانا! میں تو حیران ہوں کہ یہ بات تمہارے ذہن میں آئی کیونکر؟

شفقت نے بڑے طعنے فرمایا۔ ”اللہ والوں کے ذہن میں منجانب اللہ باتیں آیا کرتی ہیں۔“

انجائز بھی بولے۔ ان خدا رسیدہ بزرگوں سے پوچھنا بھی نہیں چاہئے کہ وہ بات کیوں کہہ گئے۔“

نزهت اب تک حیرت سے میرا منہ دیکھ رہی تھی۔ اب اس نے نج صاحب سے پوچھا۔ ”ڈیڈی آخر مطلب کیا ہے مولانا کا؟ یعنی یہ کرایہ کا مکان لے کر الگ رہنا چاہتے ہیں۔ مگر کیوں۔ ان کو یہاں کیا تکلیف ہے؟“

میں نے جلدی سے کہا۔ ”تکلیف نہیں، بلکہ بخدا بہت آرام ہے، مگر یہ تو کوئی معقول بات نہیں کہ اپنے آرام کی وجہ سے میں آپ لوگوں کو تکلیف دوں۔“

نزهت نے کہا۔ تو آپ ہم کو کیا تکلیف دیتے ہیں؟ آپ نے تو ہم سے کبھی نماز بھی نہیں پڑھوائی۔“

نج صاحب نے قہقہہ لگا کر فرمایا۔ ”کیا بات کہی ہے۔ گڈ! گڈ!!“

نزهت نے کہا۔ ”نہیں ڈیڈی میں واقعی مولانا سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ ہم کو کیا تکلیف دے رہے ہیں؟“

اب میں ان کو کیا بتاتا کہ خود میرا دل یہ کیونکر گوارا کر سکتا تھا کہ میں

مستقل طور پر نہ صرف ان کے گھر رہوں بلکہ ان کے سر رہوں۔ یہ تو ہونے سے رہا کہ میں ان سے یہ درخواست کرتا کہ چلئے یہی سہمی کہ میں یہاں رہوں۔ مگر آپ میرے کھانے پینے کے اخراجات ہی لے لیا کیجئے۔ اور صرف کھانا پینا کیا؟ یہاں تو میرے کپڑے ان کے حساب میں دھلتے تھے۔ ان کا ایک ملازم مستقل طور پر میرے چارج میں تھا۔ اخبار چونکہ میں بھی پڑھتا ہوں۔ لہذا میری وجہ سے صبح ایک کی جگہ دو اخبار لائے جاتے تھے تاکہ ایک بج صاحب کے سر ہانے رکھ دیا جائے۔ دوسرا میرے پاس آجائے۔ لاکھ چاہا کہ کالج جانے اور کالج سے آنے کے لئے کوئی ٹانگہ مقرر کر لوں۔ مگر نج صاحب کی گاڑی گویا میرے لئے مخصوص ہو چکی تھی۔ اور خود ان کے استعمال میں وہ چھوٹی کار تھی جو نزهت کی تھی۔ ایک آدھ مرتبہ عرض بھی کیا کہ اب یہ تکلف چھوڑ دیجئے اور مجھ کو میری اوقات پر رہنے دیجئے۔ مگر ہمیشہ ڈانٹ کھانا پڑی۔ اور اب پوچھا جا رہا تھا کہ ہم کو تمہاری وجہ سے کیا تکلیف ہے؟ آخر میں نے ہمت کر کے عرض کیا:

”بات یہ ہے کہ جو تکلفات میرے سلسلے میں برتے جا رہے ہیں۔ وہ عارضی طور پر تو خیر مناسب تھے مگر مستقل طور پر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا تمام بار آپ ہی پر رہے۔“

نزهت نے پھر نج صاحب سے پوچھا۔ ”ڈیڈی کیا مطلب ہوا بار کا؟ یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ کب تک ان کی ذمہ داریاں ہمارے سر رہیں گی؟“

نچ صاحب نے کہا ”ان ہی سے پوچھو ڈار لگ کہ ان کی بکواس کا کیا مطلب ہے۔ یہ تو زے مولانا نکلتے۔“

میں نے کہا ”میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ میری عادتیں خراب ہو رہی ہیں۔ جو تنخواہ میری مقرر ہوئی ہے۔ اس تنخواہ کا آدمی موٹر نہیں رکھ سکتا۔ پھر مجھ کو کیا حق ہے کہ آپ کی قیمتی کار مستقل طور پر استعمال کرتا رہوں؟“

نرہت نے تعجب سے کہا ”تو کیا آپ یا ٹیکسل پر جانا چاہتے ہیں کالج۔ یا پیدل جانے کا ارادہ ہے؟“

شفقت نے کہا ”مگر بآپ اس میں کوئی شرعی خلل واقع ہو رہا ہے۔“
اعجاز نے بھی لقمہ دیا۔ ”صاحب! یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ موٹر اسلامی سواری نہیں ہے۔“

میں نے کہا ”میں اس وقت سنجیدگی سے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہوں اور آپ لوگ چاہتے ہیں کہ بات مذاق میں ٹل جائے۔“

نچ صاحب نے دھوکے کے بادل اڑاتے ہوئے کہا ”سنجیدگی سے مولانا آپ صرف اس نتیجے پر میری طرف سے پہنچائے جاسکتے ہیں کہ میں بڑا بے تکلف قسم کا آدمی ہوں، اور بہت صفائی سے بات بھی کرتا ہوں۔ اگر مجھے آپ کی وجہ سے کوئی تکلیف ہوتی تو میں ہرگز وہ تکلیف نہ اٹھاتا۔ ہاں اگر آپ کو کوئی تکلیف ہے یہاں تو میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ خواہ مخواہ وہ ”تکلیف اٹھائیں۔“

میں نے کہا۔ ”مجھے سوائے اس کے کوئی تکلیف نہیں ہے کہ آخر میں کب تک مہمان کی حیثیت سے رہوں۔“

اب بیگم صاحبہ بھی بولیں۔ ”آئی سی۔ تو گویا تم مہمان بن کر رہ رہے ہو؟“

نچ صاحب نے بڑے وثوق سے فرمایا۔ ”اب تو بھی تم واقعی مولانا ہو۔ بے بی نے تمہارا بالکل ٹھیک نام رکھا ہے۔ مولانا۔“

شفقت نے کہا۔ ”انکل! آپ خواہ مخواہ کی بحث میں پڑ گئے۔ ان سے کہئے کہ اگر یہ علیحدہ مکان لینا چاہتے ہیں تو شوق سے لے لیں۔ قیامت تک تو مکان نہیں مل سکتا۔“

نچ صاحب نے کہا۔ دیکھو مسٹر مولانا۔ اگر تمہارا یہی ارادہ تھا تو تم کو یہاں آ کر کسی ہوٹل ہی میں ٹھہرنا چاہئے تھا۔ مجھے ہرگز کوئی شکایت نہ ہوتی۔ مگر جب تم میرے گھر آ گئے تو اب اس گھر میں اپنے کو مہمان سمجھنا یہ تمہارا مولانا پن ہے۔ جس طرح رہ رہے ہو۔ چپکے رہتے رہو۔ میں رشتہ داری کا اتنا قائل نہیں ہوں جتنا دوستی کا قائل ہوں۔ اور تم کو میں اپنا ایک دلچسپ دوست سمجھتا ہوں۔“

چچی جان نے فرمایا۔ ”مولانا! بیٹے یہاں سچ مچ دوستی ہی چلاتی ہے۔ شفقت! اعجاز نرہت سب ان کے دوست ہیں اور تم سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم بے تکلف دوست بن کر رہو۔“

میں اس وقت تو چپ ہو رہا۔ مگر والد صاحب کو خط میں اپنی یہ ساری
 الجھن لکھ دی کہ آخر میں کیا کروں۔ کب تک مفت کی روٹیاں توڑوں۔ ان کا
 جواب آیا۔ کہ اس کی ترکیب صرف یہ ہے کہ تنخواہ ملے۔ تو لا کر اپنی چچی کو دے
 دینا۔ اگر انہوں نے تنخواہ لینے سے انکار کیا تو پھر میں ان کو خط لکھوں گا۔

(۳)

بچ صاحب کے حقیقی بھتیجے شفقت اور چچی جان کے بھانجے اعجاز
 میری طرح اسی اصطبل میں نہ جانے کب سے بندھے ہوئے تھے۔ شفقت
 میاں بی اے سے بھاگے ہوئے ایک آپ ٹوڈیٹ نوجوان تھے۔ جن کو دن
 رات صرف یہ فکر رہتی تھی کہ ولایت سے جو تازہ فیشن آئے۔ اس کی ابتدا
 پاکستان میں ان ہی سے ہو۔ صورت شکل کے تو خیر غنیمت قسم کے تھے۔ مگر
 جامد زیب بلا کے واقع ہوئے تھے اور انگریزیت کچھ سما گئی تھی۔ ان میں کہ
 رات کا کھانا اگر ڈنر سوٹ پہنے بغیر کھالیں۔ تو ہاضمہ خراب ہو جائے، اور اگر
 کسی رات ڈانس نہ کر سکیں تو اپنے کو بیمار سمجھتے رہیں۔ وہ اپنے مخصوص اوقات

کے شدت سے پابند تھے کہ صبح آٹھ بجے بیدار ہونا، اور ہڈی لینا پھر خالص ولایتی انداز میں بیرے کو پکار کر حکم دینا کہ ”غسل لگاؤ“ اور غسل خانے جاتے وقت ہدایت کر جانا کہ ”کپڑے لگاؤ“ مختصر یہ کہ وہ اسی قسم کی نہ جانے کیا کیا عملیں لگائے ہوئے تھے۔ اعجاز میاں اتنے نجیب الطرفین انگریز تھے مگر تھے یہ حضرت بھی اپنے وقت کے محمد فاضل تعلیم نہ جانے کہا چھوڑ کر اب دن رات یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ نزہت سے شادی ہوگئی۔ تو نج صاحب خود ہی ولایت وغیرہ بھیج کر، ان کو اپنی دامادی کے قابل بنادیں گے، مگر تھے یہ حضرت بڑے سیاسی آدمی اور چند ہی دن میں یہ اندازہ ہو گیا کہ شفقت اور اعجاز دراصل ایک دوسرے کے حریف واقع ہوئے تھے۔ شفقت تو نہایت سطحی قسم کا ایک بے وقوف سا آدمی تھا۔ مگر یہ حضرت بڑے گہرے تھے، ان کی تمام تر کوشش یہی تھی کہ شفقت کو جہاں تک ہو سکے۔ بر خود غلط بنائے رکھیں تاکہ اس کی حماقتیں راسخ ہو جائیں اور خود یہ حضرت نج صاحب ان کی بیوی اور نزہت کے نہایت اداسناں واقع ہوئے تھے۔ اور اپنے کو ان کی مرضی کے عین مطابق ڈھالنے میں شب و روز مصروف تھے۔ مثلاً نج صاحب کے متعلق ان کا مطالعہ یہ تھا کہ یہ بڑے میاں شفقت کی اس انتہا کو پہنچی ہوئی انگریزیت کو کچھ بہت زیادہ پسند نہیں کرتے بلکہ وہ کئی مرتبہ کہہ بھی چکے ہیں کہ شفقت نے اپنی زندگی کا جو معیار بنا رکھا ہے۔ یہ اپنی نجی زندگی میں چونکہ اس معیار پر زندگی بسر نہیں کرتے۔ لہذا ان کو اس کا کوئی حق نہیں کہ اپنی عادتیں اس طرح

خراب کریں۔ اعجاز نے نج صاحب کی اس رائے سے یہ فائدہ اٹھایا کہ باوجود فیشن اہل قسم کی زندگی بسر کرنے کے جہاں تک ہو سکا۔ سادگی سے کام لیا۔ ہڈی وہ بھی لیتا تھا۔ مگر بیرے سے ”غسل لگاؤ“ نہیں کہتا تھا بلکہ نہایت خاموشی سے نہادھو کر واجبی سے سلیقے کے ساتھ کپڑے پہن لیتا تھا۔ صبح اٹھ کر جوتے پر خود پالش کر لیتا تھا۔ نج صاحب نے اس بات سے روکا بھی۔ مگر اس نے زمانہ سازی سے کام لے کر یہی کہہ دیا کہ اپنا کام کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے اپنے جوتے پر پالش کر کے جو اطمینان ہوتا ہے وہ نوکر سے پالش کرا کے نہیں ہوتا اور اسے معلوم تھا کہ نج صاحب ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں۔ شفقت اپنی حماقت سے سمجھتا تھا کہ اس کی جامہ زیبی اور صورت گری سے نزہت اس کی دلدادہ ہو جائے گی۔ مگر اعجاز جانتا تھا کہ عورت مرد کو حسین دیکھنے سے زیادہ یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ مرد اس کو حسین دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ بجائے اس کو کہ وہ نزہت کا حریف بننا۔ اس نے اپنے کو نزہت کا پرستار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ وہ شفقت کی طرح خود حسن کے چندار میں مبتلا نہ رہا بلکہ نزہت کو اس چندار میں مبتلا کر کے اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا رہا۔ شفقت کی طرح اعجاز کا خیال یہ نہ تھا کہ شوہر کے انتخاب میں نزہت کی رائے قطعی اور آخری رائے ہے بلکہ وہ جانتا تھا کہ یہ فیشن اہل گھراٹا خواہ کتنی ہی انگریزیت میں کیوں نہ مبتلا ہو۔ مگر ان سب کی رگوں میں مشرقی خون ہے اور ویسے تو سب مغرب زدہ نظر آتے ہیں مگر نزہت کی شادی

”یہ غلط ہے مسٹر ادریکر کرنے کے ذمہ دار آپ خود ہیں۔ اس کی سزائیں کیوں بھگتوں کہ اپنی گاڑی آپ کے حوالے کر دوں۔“

اس احمق نے اس پر بُرا مان کر کہا۔ ”آپ کی گاڑی آخر دوسروں کے حوالے رہتی ہی ہے۔“

جج صاحب نے میرف طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”غالباً آپ کی مراد شہاب میاں سے ہے۔ بے شک میری گاڑی ان کے حوالے اس لئے رہتی ہے کہ یہ بڑی سرکار ہیں۔ کھاتے ہیں ان کو میں اس کا مستحق سمجھتا ہوں۔“

اس جواب پر وہ تو صرف جل بھن کر رہ گیا۔ مگر میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ جج صاحب ان حضرت کی بے روزگاری سے کس قدر آزرده تھے اور ان کی کیا قیمت تھی جج صاحب کی نظروں میں مگر سوال یہ تھا کہ وہ کرتے بھی تو کیا کرتے۔ گریجویٹ ہونا ان کی قسمت میں نہ تھا۔ اور زندگی کا معیار ایسا بنا چکے تھے کہ معمولی ملازمت خاطر میں نہ لاتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ اسی انتظار میں تھے کہ سب سے بڑا عہدہ یہ ہے کہ جج صاحب ان کو اپنی غلامی میں قبول کر لیں۔ بہر حال وہ تو کچھ بھی ہو مگر جج صاحب اور چچی جان کی خصوصی شفقت نے جو میرے ساتھ تھی۔ ان حضرت کو کھلم کھلا اور اعجاز کو در پردہ میرا بھی حریف بنا دیا تھا۔ حالانکہ جہاں تک جج صاحب کی دامادی کا تعلق ہے، نہ میں نے کبھی یہ خواب دیکھا تھا نہ کبھی یہ خیال میرے ذہن کے کسی گوشے میں آیا بلکہ جب کبھی یہ دونوں اپنی اپنی جگہ مجھ سے یہ ذکر چھیڑتے کہ عنقریب وہ جج صاحب

کے باب میں نزہت کی کمی اندرونی طور پر نمی نہیں بلکہ ماں ہے اور نزہت کے ڈیڈی بھی اگر کچ پوچھے تو ڈیڈی سے زیادہ خالص ابا جان واقع ہوئے ہیں۔ لہذا وہ اپنی خالد کی اطاعت خالص مشرقی انداز میں کر جاتا تھا جس کا ان پر بڑا گہرا اثر پڑ رہا تھا اور خود اعجاز کو اندازہ ہو رہا تھا کہ رفتہ رفتہ اس نے شفقت سے زیادہ ان میں سے ہر ایک کا قرب حاصل کر لیا ہے۔

خیر یہ تو دونوں حریف اپنی اپنی جگہ پر سمجھ رہے تھے مگر میں نے ان حالات کا مطالعہ کر کے ایک تیسرا ہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جج صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ ان دونوں میں سے کسی کے متعلق اس نقطہ نظر سے غور ہی نہیں کر رہے تھے کہ ان میں سے کسی کو اپنا داماد بنانا ہے۔ الفاظ میں خواہ وہ نہ کہیں مگر ان کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان دونوں کو سخت ناکارہ سمجھتے تھے۔ اب مثلاً یہ ایک معمولی سی بات ہے کہ شفقت یا اعجاز دونوں میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ جج صاحب یا نزہت دونوں میں سے کسی کی کار استعمال کر سکیں۔ ان کے ساتھ کہیں چلے جائیں۔ یہ دوسری بات ہے مگر یہ حق کسی کو نہ تھا کہ ڈرائیور سے خاص اپنے لئے گاڑی نکالنے کو کہے۔ اعجاز تو خیر اس بات کو سمجھتا تھا مگر وہ ولایتی چغند شفقت کئی مرتبہ اس سلسلہ میں منہ کی کھا چکا تھا۔ ابھی چند دن ہوئے یہ حضرت نہایت قیمتی سوٹ پہنے۔ موٹا سا گار دبا ئے اپنے کمرے سے نکلے اور جج صاحب سے کہا۔ ”انکل! مجھے دیر ہو گئی ہے۔ ڈرائیور سے کہہ دیجئے کہ مجھے کلب تک چھوڑ آئے۔ تو جج صاحب نے نہایت رکھائی سے کہا۔

کے داماد ہو جائیں گے تو میری دعائیں ان کے ساتھ ہوتیں اور میں ان دونوں کی اس بات کا یقین دلاتا رہتا تھا کہ میں اس میدان میں ان کا حریف ہرگز نہیں ہوں۔ اعجاز تو خیر چپ تھا۔ مگر شفقت نے تو ایک دن مجھ سے یہاں تک کہہ دیا کہ صاحب! آپ کی یہ نیت نہ سہی۔ مگر آپ کے معاملے میں اس بڑھے کی نیت میں فوراً ضرور ہے۔

اور میں لاحول پڑھ کر اس بات کو نال گیا تھا اور اس کو یقین دلادیا تھا کہ وہ اپنے کو ان غلط فہمیوں میں مبتلا نہ رکھے۔

ان محضوں کو جس نزہت سے شادی کی امیدیں تھیں۔ اس نزہت کو ابھی اس گھر میں شادی کے قابل ہی نہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ لاکھ جوان سہی۔ اس کی عمر بھی یقیناً شادی کے قابل تھی۔ مگر نج صاحب ان اگلے وقتوں کے لوگوں میں سے نہ تھے جو اس کے قائل ہوا کرتے تھے کہ جوان لڑکی گھر میں ہو۔ تو ماں باپ کی خیند حرام ہو جاتی ہے۔ لاحول و لا قوۃ، ابھی تو نزہت نام خدا ہے بی کہلاتی تھی کسی دقیقہ گھر میں ہوتی تو بڑی بوڑھیاں اس غریب کی زندگی عذاب کر دیتیں کہ جواں جہاں لڑکی میں لڑکیوں کے ڈھنگ ہونا چاہئیں۔ دوپہ ٹھیک سے اوڑھنے بے آواز کی ہنسی ہنسنے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنے۔ دن رات غریب ٹوکی جاتی کہ ”صاحبزادی لڑکی ذات اور یہ ہڑونگے! آنکھوں کا پانی ہی ڈھل گیا ہے۔ تو بہ ہے بی بی۔ یہ بھی بھلا دوپہ اوڑھنے کا کوئی انداز ہے کہ جتنی بنا کر دوپہ گلے میں ڈال لیا ہے۔ اور منہ جھاڑ سہ پہاڑ

چھلاوے کی طرح اچکتی پھر رہی ہے ادھر سے ادھر یہاں دوپہ کے جتنی بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ دوپہ ہی ایک سرے سے غائب تھا۔ ایک آدھ مرتبہ نزہت کو ساری باندھے ضرور دیکھا۔ مگر اس کا آنچل بھی سر پر کبھی نظر نہ آیا۔ بال کئے ہوئے یوں ہی ہوا میں پھر پھرایا کرتے تھے اور سیدھی چال تو شاید ہی کبھی چلتے اسے دیکھا ہو۔ ہر نیوں کی طرح سارے گھر میں کللیں کرتی پھرتی تھی۔ ناچنا وہ سکھ رہی تھی۔ استاد باقاعدگی سے آکر طلبے اور ہارمونیم پر اس کو تھرکنا سکھا رہے تھے۔ اور جب کبھی نج صاحب کے یہاں کوئی کھانا ہوتا تھا۔ اس میں نزہت کا ڈانس ضرور ہوتا تھا۔ ریڈیو پروگرام پر فنی ریکارڈ چڑھا دیے اور نزہت نے اس گانے کو اپنے ناچ سے سجا دیا۔ نج صاحب خود بڑے فخر سے اپنے دوستوں کو یہ ناچ دکھایا کرتے تھے اور فرمائش کرتے تھے کہ ”ڈرائنگ“ وہ ڈانس ہو جائے ذرا۔ ”رہجہ کی آئے گی براست“ چنانچہ یہ ریکارڈ لگا دیا گیا اور نزہت نے بیروں میں گھٹکھرو باندھ کر ایسا ناچ دکھایا کہ سب حیران رہ گئے اور ناچ ختم ہونے پر تالیوں سے کمرہ گونج اٹھا اور ایک ناچ کیا ہے بیڈنٹن وہ کھیلے۔ ہیرا کی وہ کرے، سائیکل پولودہ کھیلے اور اس کی اسی کھیتی کودتی جوانی کا نام اس گھر میں بچپن تھا۔ اور وہ سترہ اٹھارہ سال کی عورت آپ کی دعا سے بے بی کہلاتی تھی۔

اگر کسی پرانے زمانے کی روح نے نج صاحب کی بیگم صاحبہ سے نزہت کی شادی کا ذکر چھیڑا بھی تو وہ ہنس کر نال دیا کرتی تھیں کہ ”شادی ابھی

کیسی؟ ابھی وہ بچی ہے۔ یہی تو اس کے کھیل کود کے دن ہیں۔

اور وہ بچی اپنی بھرپور جوانی سے خود بھی بے خبر ماں باپ سے واقعی بچوں کی سی ضدیں کرتی تھی۔ پھیلتی تھی۔ اٹھلاتی تھی اور اس کے طرح طرح کے چونچلے ہوتے تھے۔ مثلاً اس نے ضد کر کے رائیڈ ٹک کے لئے حال ہی میں گھوڑا خریدا تھا اور آجکل ہر صبح وہ برجس پھین کر ران سواری بھی فرماتی تھیں۔ ان حالات میں اس کی شادی کا ابھی سوال ہی کب پیدا ہوتا تھا؟ حتمی تھے وہ جو شادی کے خواب دیکھ رہے تھے۔

(۴)

اپنی پہلی تنخواہ لے کر جس وقت میں پہنچا ہوں، نج صاحب لان پر اپنا دربار لگائے بیٹھے تھے۔ بیگم صاحبہ بھی موجود تھیں۔ نزہت بھی تھی اور شفقت اور اعجاز بھی تھے، مجھ کو دیکھتے ہی نج صاحب نے بلند آواز سے فرمایا۔ ”پلو مولانا! نزہت ڈرائنگ اب چائے پلوائے۔ ان کا ہی انتظار تھا۔ یہ آگئے اور یہ سنتے ہی نزہت نے میرے کو آواز دے کر چائے لانے کا حکم دیا میں بیگم صاحبہ کے قریب ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا کہ تنخواہ جو ان کو دینے والا ہوں۔ کس طرح دوں؟ میں ابھی غور ہی کر رہا تھا کہ نج صاحب نے فرمایا۔

”آج تو ہمارے مولانا بہت ہی خاموش ہیں۔ غالباً کالج کے طالب علموں کو دماغ کا کچھ زیادہ حصہ کھلا کر آئے ہیں۔“

میں نے ہنس کر کہا جی نہیں، دماغ چٹانے کی تو اب عادت ہی پڑ گئی اس وقت تو ایک گتھی ہے جو سلجھارہا ہوں۔“

چچی نے اپنے بھاری بھر کم جسم سے کرسی کو چرچراتے ہوئے فرمایا۔
”خیریت تو ہے کیسی گتھی؟“

میں نے جیب سے لفافہ نکالتے ہوئے کہ۔ ”گتھی دیے تو کچھ بھی نہیں ہے بشرطیکہ آپ اس کو الجھنے سے بچالیں۔“

بیگم صلابہ نے لفافہ لیتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہے کیا آخر؟ کوئی گھر سے خط آیا ہے؟“

میں نے کہا ”جی نہیں آج تنخواہ ملی ہے۔“

یہ سنتے ہی نج صاحب بھی سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ”اچھا اچھا! مبارک ہو۔ آج تو گویا مولانا مٹھائی کھلوائیں گے۔ بھی پہلی تنخواہ ہے نا۔ ہم سب ہی مٹھائی کے مستحق ہیں۔“

نزہت نے کہا۔ ”مٹھائی کے تو خیر سب ہی حقدار ہیں مگر کچ پوچھئے تو پہلی تنخواہ کی حقدار بہنیں ہوتی ہیں۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”یعنی پوری تنخواہ کی۔ یہ کس قانون کی کس دفعہ کے ماتحت؟“

بیگم صلابہ نے نزہت کی تائید کی ”کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہی ہے۔ ہوتا تو یہی ہے کہ بھائی کی پہلی تنخواہ بہنوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔“

شفقت نے اپنے نزدیک مذاق کیا۔ اگر یہ ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ میں مولانا کا بھائی نہیں بلکہ بہن ہوں۔“

نج صاحب نے برجستگی سے فرمایا۔ ”آپ تو غالباً مذاق میں کہہ رہے ہیں مگر مجھے آپ کے بناؤ سنگار سے اکثر یہی شبہ ہوتا رہتا ہے۔“

اس پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔ نزہت نے اپنی ہنسی پر قابو پا کر کہا۔
”دیکھ لو شفقت! میں تم سے اکثر کہا کرتی ہوں کہ یہ بال بال موتی پرونا

غورتوں کا حق ہے جو تم چھیننے کی کوشش کرتے ہو۔ آج ڈیڈی کی بات سے معلوم ہوا کہ میرے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تمہارے متعلق یہی غور کرتے ہیں۔“

چچی نے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ فرصت ہے۔ اطمینان ہے وقت اپنا ہے جب تک جی چاہا آئینے کے سامنے بیٹھے رہے۔ پتہ تو اس وقت چلے گا جب یہ نوکر چاکر ہو جائیں گے۔ پھر میں دیکھوں گی کہ اس آرائش کا وقت کہاں سے لاتے ہیں؟“

نج صاحب نے بھرپور چوٹ کی۔ ”اور فرض کر لیجئے ان کا ارادہ ہی نہ ہو۔“
چچی نے کہا۔ کیا ارادہ نہ ہو۔ یعنی نوکری کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ یہ بھی

ایک ہی کمی۔ آخر کچھ نہ کھج تو کرنا ہی پڑے گا۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”مجھے تو اس کے کچھ آثار نظر آتے نہیں اور نہ دنیا نے ابھی اتنی ترقی کی ہے کہ بجائے اس کے امیدوار ملازمت ڈھونڈھیں

ملازمتیں امیدوار ڈھونڈھتی پھریں۔“

شفقت نے اپنی ٹائی کا زاویہ درست کرتے ہوئے کہا۔ ”بہر حال میں اس فکر سے غافل نہیں ہوں۔ یوں نوکری کرنے کو آج کر سکتا ہوں۔ مگر مجھ سے تو یہ ہونہیں سکتا کہ لڑکے پڑھانے بیٹھ جاؤں۔“

نچ صاحب جل ہی تو گئے اور بڑے تلخ انداز میں کہا۔ ”کس قدر اوجھا حملہ کیا ہے تم نے شہاب پر۔ حالانکہ تم کو غور کرنا چاہئے تھا کہ پڑھانے کی خدمت وہی انجام دے سکتا ہے جو خود پڑھا لکھا ہو۔“

نرہمت نے بھی کہا۔ اس وقت تو شفقت تم نے واقعی بڑی تھوڑا کلاس بات کہی ہے۔ حالانکہ مولانا کی ملازمت نہایت ہی معزز قسم کی ملازمت ہے اور یہ پیشہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔“

شفقت نے ہر طرف کے حملے سے چوندھیا کر کہا۔ میرا مطلب غلط سمجھا گیا ہے میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ میں کوئی گھٹیا نوکری تو نہیں کر سکتا۔“

چچی نے رفع شر کے لئے کہا۔ بہر حال ہم تو تمہارے ہی بھلے کے لئے کہتے ہیں۔ خیر چھوڑو اس قصے کو۔ ہاں تو مولانا مبارک ہو تم کو یہ تنخواہ۔

لورکھواسے“

میں نے کہا۔ ”میں رکھوں اسے؟ وہ کس سلسلہ میں؟ آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا حق ہے تنخواہ رکھنے کا؟“

نچ صاحب نے کہا۔ ”تم کو حق نہیں ہے تو اپنے والد کو بھیج دو۔ وہ بیچارے خوش ہو جائیں گے۔“

میں نے کہا۔ ”یہ میں ان ہی کی ہدایت پر عمل کر رہا ہوں اور آپ کو اور چچی کو اب جان اور امی جان ہی کا قائم مقام سمجھ کر میں نے یہ تنخواہ چچی کی خدمت میں پیش کی ہے۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”یہ سعادت مندی ہے تمہاری تم نے دی ہم نے وصول پائی تنخواہ اب ہم پھر تم کو انعام کے طور پر دیتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”مگر میں کروں گا کیا؟ میری ہر ضرورت خود بخود پوری ہو جاتی ہے مجھے تو آج تک کبھی روپے پیسے کی ضرورت محسوس ہوئی نہیں اور اگر کبھی ضرورت ہوگی تو ظاہر ہے کہ آپ ہی سے مانگوں گا۔“

نچ صاحب نے پائپ کے ایک مشت تین چار کش لگا کر فرمایا۔ ”میں اس بات پر غور کر رہا ہوں زینت (وہ چچی کا نام ہی لیا کرتے تھے) کہ ہم رفتہ رفتہ ان باتوں کو بھولتے جاتے ہیں کہ خوروں اور بزرگوں کے درمیان کس قسم کے تعلقات ہونے چاہئیں۔ خوروں میں کس قسم کی سعادت مندی ہو۔ اور بزرگ اس کا کس قسم کی شفقت سے جواب دیں۔ اب مثلاً مولانا نے تنخواہ لا کر جو تم کو دی ہے ظاہر ہے کہ نہ تم لے لو گئی نہ لینا چاہئے۔ مگر اس سے ایک مسرت خور محسوس ہوئی اور گویا مولانا نے ہم کو یہ یاد دلایا کہ یہ ہمارے چھوٹے اور ہم ان کے بڑے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ باتیں بہت تیزی سے ختم ہو رہی ہیں۔“

شفقت جلے ہوئے تو میٹھے ہی تھے۔ دوسرے عقل سے کام لینا ان کی

وضع کے خلاف تھا البتہ ابول اٹھے۔ ”یہ باتیں ختم اس لئے ہو رہی ہیں کہ یہ سب گویا منافقانہ چوٹچلے ہیں۔ ترقی یافتہ زمانہ نہیں چاہتا کہ خور و اپنے بزرگوں کو اس طرح بیوقوف بنا کیں۔“

نج صاحب نے بڑی سختی سے اس کی تردید کی۔ نہیں نہیں یہ غلط ہے۔ نہ یہ منافقت ہے، نہ یہ بے وقوف بنانا ہے بلکہ یہ صرف سعادت مندی ہے۔ اب مثلاً مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے مولانا سگریٹ پیتے ہیں مگر انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ میں اس کو برا نہیں سمجھتا کبھی میرے سامنے سگریٹ نہیں پی۔ اس کو تم کیا کہو گے؟“

شفقت نے کہا۔ ”میری اصلاح میں اس کو چوری کے علاوہ اور بے نہیں کہہ سکتے۔“

نزہت نے کہا۔ ”اگر یہ چوری ہے تو جو کچھ آپ اس سلسلے میں کرتے ہیں اس کا نام ہوا سینہ زوری۔“

نج صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”بڑی اچھی بات کہی۔ بہت ہی برجستہ اور نہایت بر محل۔ بھی خوب رہی یہ سینہ زوری یہ دوست۔ بے کہ میں خود یہ کہتا ہوں کہ بھی اگر سگریٹ پیتے ہو تو کیوں نہ میرے سامنے ہو۔ مگر اس کے باوجود یہ منظر کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے گویا بر خور دار جن کو گود میں کھلایا ہے اور دودھ کی شیشی پیتے دیکھا ہے وہ اپنے ہی منہ پر سگریٹ کے دھوئیں پھینکیں۔ میں اپنے تجربوں کی روشنی میں اگلے وقتوں کی ان باتوں کا روز بروز

فائل ہوتا جا رہا ہوں۔“

چچی بولیں۔ ”خیر ہم اوگ تو اس کو واقعی ڈھکوسلا سمجھتے ہیں۔ مگر کچھ نہ کچھ

لحاظ ہونا ضرور چاہئے۔ خیر اب یہ تو بتائیے کہ یہ روپے کئے کیا جائیں۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”یہ مجھ کو دو میں صبح ہی مولانا کے نام سے بنک

میں اکاؤنٹ کھول کر چک بک مولانا کے حوالے کر دوں گا۔“

میں نے کہا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے جس توقع کی بنا پر یہ

سعادت حاصل کرنا چاہی ہے۔ وہ مجھ کو نصیب نہ ہو سکے گی۔“

نزہت نے کہا۔ ”ڈیڑی آپ ان کو پکے کاغذ پر لکھ کر دے دیجئے۔ کہ

یہ سعادت مند ہیں تاکہ ان کو اطمینان ہو جائے۔ تو بہ ہے اپنی تعریفوں سے

آخر آپ کا پیٹ کیوں نہیں بھرتا۔“

میں نے کہا۔ ”جی نہیں میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ اس سلسلے میں مجھ

سے خیریت نہ برتی جائے۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”میاں لا حول ولا قوۃ“ غیرت گئی جہنم میں۔

چائے کا تاس مار کے رکھ دیا۔ ختم کرو یہ قصہ اور چائے پیو۔ میں جو مناسب

سمجھوں گا کروں گا۔“

بھی بہت کچھ ہے مگر اس وقت ذکر واقعی ان کا نہیں ہے بلکہ بات کر رہا ہوں۔ اس سند یافتہ چغدی جس کا نام ہے شفقت۔ عجیب سر پھر الوند ہے۔ کچھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنے کو سمجھتا کیا ہے؟ عقل کی جتنی کمی ہے۔ دماغ اتنا ہی عرش پر واقع ہوا ہے۔ مجھے ان حضرت پر کچھ دن سے ایک شبہ تھا۔ یہ جو ہمارے پڑوس میں مسٹر جیکب رہتے ہیں ان کے یہاں کچھ گڑ بڑ ہے ان صاحبزادے کی۔ مجھے خود جیکب کی لڑکی میری کی طرف سے بھی شبہ تھا اور اسی شبہ کی بنا پر میں نہیں چاہتا تھا کہ بے بی سے اس کے تعلقات جاری رہیں۔ مگر وہ بچی بے قصور نکلی اور معلوم ہوا کہ اس کی طرف سے صرف کھلنڈراپن تھا اور اس گدھے کی طرف سے باقاعدہ مجرمانہ شرارت چنانچہ ان حضرت نے اس کو ایک خط لکھ مارا اور اس نے یہ خط بے بی کے حوالے کر دیا کہ اپنے ان عزیز محترم کی یہ حرکتیں ملاحظہ فرمائیے۔ اس خط میں اس خبیث نے علاوہ نہایت بازاری قسم کا عشق جھاڑنے کے بہت سے سفید جھوٹ بھی بولے ہیں مثلاً لکھتا ہے۔ ذرا غور سے سننا کہ ان تنگ خاندان نے لکھا کیا ہے؟“

”نزدہت لاکھ میری منگیتر سی۔ ممکن ہے کہ لوگ اس کو حسین بھی کہیں یہ بھی درست کہ وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ مگر محبت ان داموں تو نہیں بکا کرتی۔ میں نزدہت کی یہ تمام جھیشیں تمہاری صرف ایک نگاہ غلط انداز پر نچھاور کر سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کم سے کم مجھ کو پسند نہیں کرتیں۔ مگر میں تم کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم صرف مجھ کو پسند ہی نہیں بلکہ میری پسند کا

(۵)

عصر کی نماز پڑھ کر میں نے سلام پھیرا ہی تھا کہ حج صاحب میرے کمرے میں آکر ایک کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گئے اور مجھ کو اپنی طرف متوجہ پا کر بولے۔ نہیں نہیں تم نماز پڑھ لو پھر ہوں گی باتیں۔“

”میں نے عرض کیا۔ میں نماز پڑھ چکا ہوں۔“

کہنے لگے۔ ”بس تو پھر ٹھیک ہے۔ ذرا ادھر آ جاؤ ایک لطیفہ سناؤں تمہیں۔ یہ لطیفہ بھی ہے اور حادثہ بھی کبھی مجھ کو ہنستی آتی ہے اور کبھی جی چاہتا ہے کہ ریلو الور میں ساتوں کا تو س بھر کر اس احمق کو چھلنی کر دوں۔“

میں نے قریب ہی کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔ یہ کس کا ذکر ہے۔ اعجاز صاحب سے تو کسی لطیفہ کی امید ہے نہ کسی حادثے کا خطرہ۔“

حج صاحب نے کہا۔ خیر امید تو ان حضرت کی ذات والا صفات سے

آخری معیار ہو۔ مذہب کا اختلاف اس لئے بے معنی ہے کہ میں مذہبی آدمی نہیں۔ میرے لئے اس میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کہ بجائے کسی مولوی کے کوئی پادری مجھ کو تمہارے اور تم کو میرے حوالے کر دے۔ اس کے علاوہ اگر تمہارے لئے یہ بھی ضروری ہو کہ میں مذہب تبدیل کروں تو بھی مجھے انکار نہ ہوگا۔ بہر حال میں ہر قیمت پر بکنے کے تیار ہوں۔ بشرطیکہ تم خریدار ہو۔

میں نے سنتے سنتے کہا۔ کمال کر دیا۔ ”یعنی مذہب تک کی قربانی۔“
 نج صاحب نے غصے سے کہا۔ ”خیر وہ تو قربانی کا بکرا ہے ہی۔ مگر اس مردود کو جھوٹ بولنے کا کیا حق تھا کہ زہت میری منگیت رہے۔“
 میں نے کہا۔ ”جھوٹ ہی بولنا ٹھہرا۔ تو پھر حق کا کیا سوال۔ جھوٹ بولنے کے لئے کسی حق کی ضرورت نہیں ہوتی۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”اچھا صاحب اب سنئے کہ واقعہ کیا ہے۔ میں نے پوری تحقیقات کر لی ہے اور خود میری سے بھی بات کر چکا ہوں۔ وہ بے چاری سوائے اس کے کہ نہایت شریر اور تیز لڑکی ہے اور اس کا کوئی قصور نہیں۔ قصہ شروع یوں ہوا کہ وہ ان حضرت کو دیکھا کرتی تھی کہ ایک احمق ہے جس کو دنیا میں سوائے اس کے کوئی کام ہی نہیں کہ۔

اللہ شرم رکھ لے تو میرے جنگجو کی

آئینہ سامنے ہے چونیں ہیں دودد کی

جب دیکھئے آئینے کے سامنے کھڑے اسنو پر اسنو اور کریم پر کریم رگڑ

رہے ہیں۔ چہرے پر پہلے تو اس نے تعجب سے دیکھا کہ کیا مرد بھی اس شدت سے سولہ سنگھار کرتے ہیں اور آخر ایک دن بے بی سے بھی پوچھا کہ یہ تمہارے گھر میں کوئی فلمی ہیرو آگھسا۔ یا کوئی بہرو پیہ ہے۔ آخر یہ شخص ہے کون؟ پھر ان دونوں لڑکیوں کو شرارت سوچھی اور میری نے باقاعدہ ان حضرت کو اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھنا شروع کر دیا۔ آپ سمجھ کہ مرثیٰ یہ لڑکی ان کے حسن جہاں سوز پر۔ اور یہ سمجھنے کے بعد پھر کچھ نہ پوچھئے کہ اس مسخرے نے اپنے حسن میں اضافے کی کیا کیا ترکیبیں نہیں کی ہیں۔ ابھی ایک وضعدار سوٹ پہنے کھڑکی کے سامنے کھڑے ہیں تو ابھی فینس کٹ میں گویا اس کا صبر و قرار لوٹ رہے ہیں ابھی کمینیشن میں جامہ زہی کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ تو ابھی ڈنر جیکٹ میں اپنا جادو جگا رہے ہیں۔ کبھی سگار کے کش لے لے کر چھلے بنا رہے ہیں تو کبھی سگریٹ کیس پر ٹھونک ٹھونک کر سگریٹ سلگا رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کو سورنگ کے جلوے دکھاتے ہیں۔ ہر نظر کے لئے ایک نیا کرشمہ مہیا کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ کمینڈ پن شروع کیا کہ اشارے فرمانے لگے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ کل آپ نے یہ خط لکھ مارا اور میری نے یہ خط من و عن بے بی کے حوالے کر دیا کہ اودیکھ لو اس جانور کے کربوت بے بی نے یہ خط مجھے اور اپنی مٹی کو دکھایا اور جب میں نے میری کو بلا کر تمام قصہ سنا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ ہم تو ایک بیوقوف کو بیوقوف بنا رہے تھے۔ چنانچہ ہم جتنا سمجھتے تھے اس سے کہیں زیادہ اس احمق کو احمق پایا۔“

میں نے کہا۔ ”خیر یہ شرارت سہی مگر تھی نہایت خطرناک شرارت۔“
 نج صاحب نے کہا۔ ”بھی یہ تو میں نے بھی کہا کہ ان لڑکیوں نے
 خصوصاً میری نے نہایت زیادتی کی ہے۔ میری کو میں نے سختی سے ڈانٹ بھی
 دیا اور بے بی کو بھی شرمندہ کیا کہ اس بھونڈے مذاق میں اس کو حصہ نہ لینا
 چاہئے تھا مگر سوال یہ ہے کہ اس گدھے نے یہ منگیتر والی بات کیسے لکھ دی۔“
 میں نے کہا۔ ”اس کو بھی آپ میک آپ ہی کی ایک قسم سمجھے۔ میک
 آپ بھی جھوٹ بولنے کی ایک قسم ہے اور یہ بھی جھوٹ بولنے کی ایک قسم ہے
 اور یہ جھوٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”غلطی اصل میں میری ہی ہے کہ میں اس کو اپنے
 مرحوم بھائی کی نشانی سمجھ کر اپنے یہاں رکھے ہوئے ہوں۔ ارادہ یہ تھا کہ اس کو
 تعلیم دلاؤں گا اور پڑھ لکھ جائے گا۔ تو اپنے اثر اور رسوخ سے کام لے کر کوئی
 ڈھنگ کی نوکری دلا دوں گا۔ میری اس توجہ کا نتیجہ اس پاگل نے یہ نکالا کہ
 پڑھا لکھا خاک بھی نہیں خواہ تو وہ کے صاحب بہادر بن کر رہ گئے اور اب
 ہماری یہ بلی ہم ہی سے میاؤں کرنے لگی۔ بھلا بتائیے اگر مسٹر جیکب کو خبر
 ہو جاتی تو وہ میرے متعلق کیا رائے قائم کرتے اور پڑوس کے اتنے پیچھے
 تعلقات خراب ہو جاتے۔“

میں نے کہا۔ ”پھر اسے آپ نے یہ طے کیا ہے۔“
 نج صاحب نے کہا۔ ”سمان اللہ یعنی میں تو میں مشورہ لے رہا ہوں

کہ کیا کروں؟ مصیبت سب سے بڑی یہ ہے کہ اب بے بی آپ سے باہر
 ہے وہ کہتی ہے کہ اس بے ہودہ نے میری تذلیل کی ہے تو اس کو ذلیل کر کے
 رہوں گی۔“

میں نے کہا۔ ”یہ نہیں خیر یہ تو بہت ہی غلط بات ہوگی۔ نزہت کو اس
 پستی میں نہ اتارنا چاہئے بلکہ اپنے کو اس سطح سے بلند و بالا رکھنا چاہئے۔“

نج صاحب نے خوش ہو کر کہا۔ ”ہاں۔ بس یہی میں بھی چاہتا تھا کہ
 بے بی اس گندگی میں کوئی حصہ نہ لے۔ ایک تو یہی کیا کم ہے کہ اس کے ذہن
 میں گویا یہ خیال پیدا ہوا کہ اس قسم کی باتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ میں اس کو ہر طرح
 کی آزادی دینے کے باوجود اس قسم کی باتوں میں بالکل مصیوم رکھنا چاہتا تھا
 اور تم نے اندازہ کیا ہوگا کہ اس کو کبھی اپنی عمر اور جنس کا احساس تک نہیں ہوا۔ وہ
 لڑکیوں کو سمجھتا اور سیکھتا تھا کہ کیا دلا یا جاتا ہے کہ تم عورت سے سن رہی ہو۔
 یہ شعور میں نے اس کے پاس بھی پہنچنے نہ دیا۔“

میں نے کہا۔ ”خیر اس پر تو کبھی تفصیل سے اپنے خیالات پیش
 کروں گا مگر اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ نہایت کم ایسا قصہ میں اچھے
 سے باز رکھا جائے۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”بھئی سب قسم ہی اس کو سمجھاؤ۔ میرا خیال ہے کہ
 وہ تمہاری بات ضرور مان لے گی۔“

میں نے کہا۔ ”بلکہ میں تو آپ سے بھی عرض کروں گا۔ آپ بھی اور

چچی بھی اس سلسلے میں شفقت صاحب سے کوئی بات نہ کریں تو اچھا ہے۔“
 نج صاحب نے کہا۔ ”کیا مطلب؟ یعنی اس کی رشی دراز رہنے دیں
 چہ خوش۔ میں تو اس کو نوٹس دینے والا ہوں کہ مابین شہادت اپنا ٹھکانہ کہیں
 اور ڈھونڈ لے لو۔“

عرض کیا۔ ”میرے خیال میں فی الحال یہ مناسب نہ ہوگا۔ آپ
 لوگوں کے بدلے ہوئے تیور ہی ان کے لئے کافی ہوں گے۔“

نج صاحب نے ہنس کر کہا۔ ”اجی تو بہ کیجئے وہ ایسے غیرت دار نہیں
 ہیں۔ جس مٹی سے چکنا گھڑا بنتا ہے اسی سے اتفاقاً یہ آدمی کی شکل کا ایک برتن
 بن گیا ہے۔ بہر حال میں تمہارے مشورے کے بغیر کچھ نہ کروں گا۔ تم فی الحال
 بے بی کو تو سمجھاؤ۔“

میرے نے آکر اطلاع دی کہ چائے پر ہم دونوں کا انتظار ہو رہا ہے۔
 لہذا میں بھی نج صاحب کے ساتھ چائے کی میز پر آ گیا۔

(۶)

نزہت سے میرے تعلقات میں اب وہ بیگانگی اور اجنبیت تو نہ تھی جو
 ابتداء میں تھی۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ مجھ کو موت سے کبھی کوئی سنجیدہ بات
 کرنے کی نوبت نہ آئی تھی اور نہ کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش آئی کہ اس کو
 علاحدگی میں بلا کر کوئی بات کرتا۔ ویسے وہ کبھی کبھی میرے کمرے میں بھی
 آ جایا کرتی تھی۔ مثلاً کبھی میری کتابیں تتر بتر کرنا جو میں تو وہ آگئی کبھی میں نے
 کالج سے آ کر کمرے کی یہ کیفیت دیکھی کہ گویا میری عدم موجودگی میں یہاں
 بھونچال آیا ہو تو میں سمجھ جایا کرتا تھا کہ نزہت کا گذر ہوا ہے۔ کبھی کسی تازہ
 رسالے کی تلاش میں آنکلیں تو کبھی اپنی کسی سہیلی کو عجائب خانے کے طور پر میرا
 کمرہ گھمانے آ گئیں۔ مگر ایسی صورت غالباً کبھی پیش نہیں آئی کہ وہ خاص طور

پر صرف میرے پاس آئی ہوں یا میں نے ان کو خاص طور پر بلایا ہو۔ مگر اب جج صاحب کے ارشاد کے مطابق مجھ کو یہ فکر تھی کہ ان کو زحمت دوں، مگر سوال یہ تھا کہ کیا کہہ کر بلاؤں اور بلاؤں بھی یا خود ان کے کمرے میں چلا جاؤں۔ میں ابھی یہ غور ہی کر رہا تھا کہ یکا یک وہ خود میرے کمرے میں آگئیں اور تشریف لاتے ہی بولیں۔

”فرمائیے! کیسے یا دفرمایا تھا؟“

میں نے کہا۔ ”یا دفرمایا تھا، یعنی میں نے یا دفرمایا تھا۔“

نزہت نے تعجب سے کہا۔ ”اچھا یعنی آپ تو اس طرح حیران ہو رہے ہیں گویا مجھ سے ڈیڑی نے خواہ مخواہ ہی آپ کی طرف سے کہہ دیا ہے“ میں نے بات بتاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے بیچا جان سے یہ ضرور کہا تھا کہ آپ کو بھیج دیں۔“

نزہت نے حسب معمول اپنے غیر سنجیدہ انداز سے کہا۔ ”جی ہاں! اسی بات کو ہم مہذب لوگ اس طرح کہتے ہیں کہ آپ نے یا دفرمایا تھا۔“ میں نے کہا۔ ”بڑی مسرت ہوئی یہ معلوم کر کے کہ جناب بھی گویا مہذب لوگ ہیں۔“

نزہت نے تیزی سے کہا۔ ”مہذب لوگ نہیں بلکہ مہذب لوگوں میں سے ایک ہوں۔ بہر حال فرمائیے بات کیا تھی؟“

”میں نے کہا۔ مہذب لوگ اس بات کو بھی خیال رکھنا چاہئے کہ

وہ جب کسی کے بلانے پر جائیں تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر نہ جائیں۔“ اس نے برعکس کھلے۔ ”ہلکہ افیون کی چسکی لے کر جائیں اور پنک میں بیٹھ رہیں۔ مجھے جلدی یہ ہے کہ میری بیڈ منشن کورٹ پر میرا انتظار کر رہی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”میری اور میرا بھی خوب ہے۔ بہر حال اگر اس وقت آپ کو فرصت کم ہے تو پھر کسی وقت سہی۔ مجھے ذرا تفصیلی باتیں کرنا ہیں آپ سے۔ جس میں ذرا وقت لگے گا۔“

نزہت نے بڑے غور سے مجھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھ سے تفصیلی باتیں؟ خیریت تو ہے مولانا؟“ میں نے کہا۔ ”تفصیلی بھی اور نہایت سنجیدہ بھی اور وہ آپ ہی کے متعلق باتیں۔“

نزہت نے اب سنجیدگی سے کہا۔ ”اچھا تو میں میری سے کہہ دیتی ہوں کہ میں اس وقت مصروف ہوں اور ابھی آتی ہوں واپس۔“ میں نے کہا۔ ”نہیں نہیں آپ اپنا پروگرام کیوں ملتوی کریں۔ پھر کسی وقت سہی۔“

نزہت نے کہا۔ ”جی نہیں میں ابھی آتی ہوں۔ وہ پروگرام کوئی خاص نہیں ہے۔ یوں ہی شٹل کاک اڑانے تھے خواہ مخواہ میری کے ساتھ کھیل کر ویسے بھی میرا کھیل خراب ہوتا ہے میں بس ابھی آتی۔“

اور یہ کہہ کر وہ ایک ٹانگ سے اچھلتی ہوئی چلی اور دونوں ٹانگوں سے

بھاگتی ہوئی چلی گئی مگر آج میں نے اندازہ کیا کہ یوں تو وہ ہمیشہ کی طرح کھلندے پن کے موڈ میں تھی۔ مگر جب میں نے اس سے سنجیدگی کے ساتھ کہا مجھے سنجیدہ باتیں کرنا ہیں تو وہ خود بھی بے حد سنجیدہ بن گئی تھی اور اس سنجیدگی سے وہ بالکل بدلی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔ اس کی اس تبدیلی نے میرے حوصلے بھی بڑھا دیئے تھے۔ ورنہ میں نج صاحب کے حکم کی تعمیل کے طور پر اس کو سمجھانا تو چاہتا تھا مگر ساتھ ہی ساتھ ڈر رہا تھا کہ وہ نہ جانے مجھ کو چٹکیوں میں اڑا دے گی یا ہنسی میں اڑا کر بے وقوف بنا کر رکھ دے گی۔ نج صاحب نے کہا تو تھا کہ وہ تمہاری بات ضرور مان لگی۔ مگر سچ پوچھئے تو مجھے امید بہت ہی کم تھی البتہ تھوڑی دیر کے لئے اس کا موڈ جو بدلا۔ تو مجھے نج صاحب کی اس بات میں بھی صداقت نظر آنے لگی۔ میں اس سے بات کرنے کے لئے ابھی الفاظ جمع ہی کر رہا تھا کہ وہ واپس آ کر بولی۔

”لیجئے میں آگئی اور نہ صرف تفصیل سے آئی ہوں بلکہ آپ کی سنجیدہ بات سننے کے لئے پوری سنجیدگی کے ساتھ آئی ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”شکریہ! مجھے آپ سے ذہانت سمجھداری اور اس طرح کی دوسری امیدیں تو تھیں مگر سنجیدگی کی امید اس لئے نہ تھی کہ میں نے آپ کو کبھی سنجیدہ دیکھا ہی نہیں۔“

اس نے سچی بات کہہ دی۔ ”جب کوئی سنجیدگی سے مجھے خاطر ہی میں نہ لائے تو میں خاک سنجیدہ ہوں آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ اتنی بڑی تو میں ہو گئی

ہوں اور کہلاتی ہوں اب تک اس گھر میں بے بی۔ جی چاہتا ہے کہ غصہ میں آ کر فیڈنگ بائل لے کر ہنڈولنے میں پڑ رہوں۔“

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ ہمارے بچا جان کے یہاں آپ کے بعد کوئی اور اولاد جو نہیں ہوئی۔“

اس نے بڑی سادگی سے کہا۔ ”لیجئے تو اس میں میرا کیا قصور کہ اس کی سزا میں بھگتوں اور زندگی بھر بے بی کہلاؤں۔ خیر چھوڑیے اس بات کو میں اس وقت بے بی نہیں ہوں۔ بلکہ ایک سنجیدہ خاتون ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”آخہ! یعنی سنجیدہ بھی نہیں بلکہ خاتون۔ بہر حال میں اس وقت آپ سے اس اعتماد پر چند باتیں کر رہا ہوں کہ مجھ کو خدا جانے کیوں اس بات کا یقین ہے کہ آپ میری بات کم سے کم قابل غور ضرور سمجھیں گی۔“

نزدہت نے کہا۔ ”یقیناً سمجھوں گی۔ اس لئے کہ آپ نے کوئی مہمل بات نہیں کہی۔ اور نہ میں نے آپ کے کسی طرز عمل کو غیر معقول پایا۔“

میں نے کہا۔ مجھے اس احقانہ قصے کی اطلاع مل چکی ہے جو آپ کے ایک بیوقوف بھائی اور آپ کی سہیلی میری کے درمیان ہوا ہے۔“

نزدہت نے کہا۔ میری کا نام خواہ مخواہ نہ لیجئے۔ وہ تو گھاس بھی نہیں ڈالتی ایسے جانوروں کے سامنے مگر اب آپ دیکھئے گا کہ میں اس شفقت کی کیسی خبر لیتی ہوں؟“

میں نے سمجھتا ہوا ہوئے کہا۔ ”دیکھو نزدہت میں نے تم کو خاص طور

پر اسی لئے بلایا ہے کہ شفقت صاحب نے اس سلسلے میں جس گراوٹ اور ابتذال کا ثبوت دیا ہے اس سطح پر تمہارا ان کو مخاطب کرنا خود تمہاری شان کے خلاف ہے یا نہیں؟“

نزہت نے کہا۔ ”ہے تو سہی مگر آپ ہی بتائیے کہ اس کو اس کا کیا حق ہے کہ خواہ مخواہ میرے متعلق ایسی بے ہودہ بات کہے۔“

میں نے کہا۔ ”وہ بات چونکہ بے ہودہ ہے۔ لہذا آپ کے وقار کے خلاف ہے کہ اس سلسلے میں آپ اس سے باز پرس کریں۔ آپ کو تو اب اور بھی چاہئے کہ اسے منہ نہ لگائیں۔ گویا آپ کو خبر ہی نہیں۔ آپ رسید ہی نہ دیں۔ میں نے یہی مشورہ چچا میاں کو دیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں شفقت سے کوئی بات نہ کریں۔ صرف ان کی بے رخی اور آپ کی بے اعتنائی ان کو ان کی اوقات پر پہنچا دے گی۔“

نزہت نے کہا۔ ”میں کروں گی تو وہی جو آپ مشورہ دیں گے۔ مگر جی تو یہی چاہتا تھا۔ کہ ان حضرات کو ذرا آئینہ دکھا دیا جاتا کہ حضرت منہ دھور کھئے۔“

میں نے کہا۔ ”مگر الفاظ میں یہ بات کہنا کچھ نہ کہہ کر طرز عمل سے بے رخی ظاہر کرنے کے مقابلے میں ہلکی بات ہے ان کا کیا ہے وہ تو ایک ادنیٰ ذہنیت کے سطحی آدمی ہیں مگر آپ کیوں اپنی بلندی سے ان کی پستی پر اتریں۔“

نزہت نے کہا۔ ”یہ بات آپ نے واقعی بالکل درست کہی۔ میں اب اس سے کچھ نہ کہوں گی مگر ذرا غور تو کیجئے کہ عجیب چوکور دماغ ہے اس شخص

کا۔ عورتوں کی طرح بن سنور کر وہ سمجھتا ہے کہ گویا عورتیں چھڑ اور کھیاں ہیں۔ اور وہ فلٹ کی پچکاری۔“

میں نے بے ساختہ ہنس کر کہا۔ ”کیا کہنا ہے۔ بڑی اچھی بات کہی۔ جی ہاں اس قسم کے سطحی لوگوں کو اپنے متعلق یہی خوش فہمی ہوا کرتی ہے۔“

نزہت نے کہا۔ ”حالانکہ میں نے کبھی اس کو منہ نہیں لگایا۔ اس کے اس تمام بناؤ سنگھار کا ہمیشہ مذاق اڑایا۔ اس سے ہمیشہ یہی کہا کہ مجھے مردوں کا یہ بال بال موتی پر دنا پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا۔ میں اس کو کئی مرتبہ وہ نظم بھی سنا چکی ہوں ع

مانگ لی نسوانیت سے تم نے ہر شیریں ادا

مگر عجیب اوندھی کھوپڑی پائی ہے کہ اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بہر حال آپ نے یہ بالکل ٹھیک کہا کہ ہم کیوں اس کی پستی میں اپنے کو لے جائیں۔ جائے چولھے میں وہ ہماری طرف سے۔“

اور میں نے دیکھا کہ واقعی وہ کھلندری نزہت اس وقت بے بی نہیں بلکہ ایک سنجیدہ خاتون بنی ہوئی میرا مشورہ قبول کر رہی تھی۔

(۷)

ہے۔ مگر دونوں اپنی اپنی جگہ پر یہی احمقانہ خواب دیکھ رہے ہیں جو بقول
نرہت کے کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ بڑی مصیبت نرہت کے لئے یہ تھی کہ وہ
اپنی ماں یا اپنے باپ سے باوجود انتہائی بے تکلف ہونے کے یہ نہ کہہ سکتی تھی
کہ اس کو ان دونوں کا یہاں رہنا پسند ہے۔ شفقت کا قصہ یہ تھا کہ رنج صاحب
کے مرحوم بھائی کا لڑکا ہے اور بھائی کے مرنے کے بعد رنج صاحب اس کو
مستقل طور پر اپنے یہاں لے آئے ہیں۔ گویا اب یہی اس کا گھر ہے، رہ گئے
اعجاز صاحب، وہ بیگم صاحبہ کی بڑی بہن کے ولی عہد بہادر واقع ہوئے ہیں
اور وہ غالباً اس سلسلے میں یہاں رہتے ہیں کہ اگر رنج صاحب کے بھائی کا لڑکا
رہ سکتا ہے تو رنج صاحب کی بیوی کی بہن کا لڑکا کیوں نہ رہے اور اصل قصہ
صرف یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ نرہت کو شفقت لے اڑے اور سونے کی چڑیا ان
کے ہاتھ نہ آ سکے۔ مگر یہاں نہ تو رنج صاحب کے ذہن میں ان دونوں میں سے
کسی کے متعلق یہ سوال تھا نہ بیگم صاحبہ نے ان دونوں میں سے کسی کے متعلق
اس نقطہ نظر سے غور کیا تھا۔ رہ گئی نرہت اس کو تو ان دونوں سے شدید الجھن
ہوتی تھی اور وہ ان دونوں کے سلسلے میں لعنت کی قابل تھی۔ اور جب کبھی وہ
میرے پاس آتی تھی، ان دونوں کی کوئی نہ کوئی مضحکہ خیز داستان لے کر آتی
تھی۔ چنانچہ آج بھی جب میں کالج سے واپس آیا ہوں تو اس نے میرا اس
طرح خیر مقدم کیا۔ گویا اس کو میرا شدید انتظار تھا۔ دوڑی ہوئی میرے کمرے
میں آ کر بولی۔

نرہت سے میرے بڑے دوستانہ اور یگانگت کے تعلقات تھے۔ وہ
کہتی تو خیر اب بھی مولانا ہی تھی مگر اس مولانا میں اب طنز نہ تھا بلکہ یہ تو میرا نام
تھا گویا۔ ورنہ اس کی ہر بات سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کو مجھ پر جو اعتماد ہے وہ
خیر شفقت کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ اعجاز پر بھی نہیں ہے بلکہ اس سے اس کے
دل کی باتیں معلوم کرنے کے بعد یہ چلا کہ وہ اعجاز کو میرے خیال کے عین
مطابق شفقت سے زیادہ خطرناک سمجھتی ہے اس لئے کہ شفقت تو خیر ایک
کھلے ہوئے بے وقوف واقع ہوئے ہیں مگر اعجاز ذرا گہرے قسم کے آدمی ہیں۔
اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ حضرت بھی اسی کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ ہر چند
ابھی تک ان دونوں میں سے کسی کو سلسلے جنہانی کرنے کی جرأت نہیں ہوئی

”ارے مولانا! آپ کہاں رہ گئے تھے۔ آج تو لطف ہی آگیا۔ خیر آپ نماز پڑھ لیں تو ابھی بڑا مزیدار قصہ سناتی ہوں آپ کو۔“

میں نے کہا۔ ”آپ قصہ سنائیے میں نماز پڑھ کر آیا ہوں۔“

نزہت نے کہا ارے صاحب آج آپ کے غلام نے لٹریچر کے دریا بہا دیئے۔ جانے کتنے دنوں سے وہ ایک مکالمہ تصنیف کر کے رٹ رہا تھا اور آج اس کو موقع ملا کہ عین اس وقت جب میں گلہ انوں کے لئے باغیچے میں پھول توڑ رہی تھی وہ نازل ہو گیا اور لگا ایک دم ڈائلاگ بولنے۔“

میں نے بات کاٹ کر کہا۔ ”یہ تو معلوم ہو کہ یہ کس غلام کا ذکر ہے۔“

نزہت نے روائی کے ساتھ کہا۔ ”آپ کا غلام قسم اول یعنی شفقت

صاحب آج ان حضرات نے اپنا چاکلیٹ بریری کا سوٹ پہنا۔ اس سرخ رنگ کی بوباندھی سرخ ہی رومال جیب سے جھنکایا۔ غالباً سینٹ کی پوری شیشی سے اپنے کو مہر کایا۔ دلپ کمار کی طرح پیشانی پر بال گرائے۔ راج کیور کی طرح چال چلتے ہوئے میرے پاس آ کر بولے۔ ”نزہت معاف کرنا۔ تم پھولوں سے کھیل رہی تھیں اور میں خار مغیلاں بن کر یہاں آگیا ہوں۔“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”خار بھی نہیں بلکہ خار مغیلاں۔“

نزہت نے کہا۔ ”اور نہیں تو کیا آپ ان کو کوئی معمولی درجے کا خار سمجھتے

ہیں۔ خیر سنئے تو سہی۔ ابھی تو لٹریچر بگھرن شروع ہوا ہے۔ میں نے یہ سن کر نہایت بے رخی سے کہا۔ کیا مطلب آپ کا تو کہنے لگے میں مطلب پرست نہیں

ہوں۔ تم میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھو میرے لبوں پر مدعا کی جتنو نہ کرو۔

آہ یہ آنکھیں جوان سے جانے کیا کیا کہہ گئیں

ہائے وہ لب جن کا کوئی مدعا ہوتا نہیں

میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ ”اچھا اچھا یعنی شعر بھی پڑھنے لگے

ہیں۔ عزیز القدر۔“

نزہت نے کہا۔ اور صاحب اس تاثر سے انہوں نے یہ شعر پڑھا اور

اتنی ٹھنڈی سانسوں کے ساتھ کہ مجھے تو سردی لگنے لگی۔ بہر حال میں نے ان

کے حکم کی تعمیل میں ایڑیاں اٹھا کر بیچوں کے بل کھڑے ہونے کے بعد ان کی

آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ اطمینان رکھئے آپ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں تو

انہوں نے حجاج ان آنکھوں سے آنسو نچوڑنے کی سخت کوشش کے بعد کہا۔

نزہت میرے لئے زندگی کی وہ ساتتیں موت سے زیادہ شدید بن جاتی

ہیں۔ جب تم مجھ سے بے اعتنائی مرتے لگتی ہو۔ میں نے ان سے بے اعتنائی

کے معنی پوچھے تو پتہ چلا کہ ان کو خود نہیں معلوم اس لئے کہ وہ یہی کہتے رہے کہ

میں ان سے کچھ ناراض ہوں۔ میں نے ان کو یقین دلایا کہ حضرت ناراض

انسان اس سے ہوتا ہے جس سے راضی رہ چکا ہو کبھی۔“

میں نے کہا۔ ”یعنی واقعی اسی صفائی سے آپ نے کہہ دیا۔“

کہنے لگی۔ جی ہاں میں نے ان کو بڑی دلسوزی سے سمجھایا کہ آپ کو یا

تو اب غلط فہمی ہوئی ہے یا پہلے کچھ غلط فہمی تھی۔ میں آپ سے ناراض ہو کر یہ

کیوں ثابت کروں گی کہ گویا پہلے کبھی خوش تھی اور اب ناخوش ہوئی ہوں۔
آپ یقین جانے کہ آپ میرے لئے جیسے تھے ویسے ہی اب بھی ہیں اور
انشاء اللہ میں ہمیشہ آپ کو ویسا ہی سمجھوں گی جیسا اب تک سمجھتی رہی ہوں۔ یہ
سن کر بولے اور بڑے ڈرامائی انداز سے بولے۔ تو پھر یہ بے رخی کیوں؟ یہ
بیگانگی کیسی؟ یہ بے اعتنائی کیا؟“

میں نے کہا۔ ”یعنی اتنی صاف باتوں کے بعد بھی یہ سوال؟“

نزہت نے کہا: آپ ان حضرات کو کیا ادنیٰ درجے کا احمق سمجھتے ہیں؟

اگر خود ان ہی کا چراغ رخ زیبائے کر دھونڈھے تو بھی ان کا جواب نہ مل سکے
گا آپ کو بہر حال میں نے ان سے چہرہ ہی کہا کہ شفقت صاحب آپ کو نہ
جانے کیا وہم ہو گیا ہے صاحب! میں آپ سے اگر کبھی یہ کہہ چکی ہوتی کہ آپ
میرے دوست ہیں تو آج بیشک آپ دشمنی کا شکوہ کرنے میں حق بجانب
ہوتے اگر میں نے کبھی یگانگت کا دعویٰ کیا ہوتا تو آج آپ بیگانگی کی شکایت
کر سکتے تھے۔ یہ سن کر وہ اتفاق سے کچھ سمجھ ہی گئے۔ اور کہنے لگے۔ مجھے
خوب معلوم ہے، نزہت کہ وہ نمازی ملا میرے اور تمہارے درمیان روز بروز
حائل ہوتا جا رہا ہے۔“

میں نے کہا۔ سبحان اللہ!

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

نزہت نے کہا۔ ”جی ہاں ذرا یہ خوش فہمی ملاحظہ ہو۔ بہر حال میں نے

ان سے کہا کہ مولانا کے متعلق آپ کا یہ خیال آپ کے عام خیالات کی طرح
خام ہے۔ وہ اس سطح سے بہت اونچے ہیں تو اس نے جل کر کہا کہ اس رنگ
ہوئے سیار نے جو دھونگ رچایا ہے میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ اس نے
میرے متعلق چچامیاں کی رائے بدل دی ہے۔ چچی کی آنکھیں پھر گئی ہیں اور
سب سے بڑھ کر یہ کہ تم بھی مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہو؟“

میں نے کہا ”رنگا ہوا سیار تو میں ہرگز نہیں ہوں۔ سادہ سیار کہتے تو
ایک بات بھی تھی۔ اپنی رنگینیاں میرے سر کیوں تھوپ رہے ہیں۔“

نزہت نے کہا۔ ”بہر حال میں نے ان سے کہا کہ غالباً آپ مولانا
کے مقابلے میں خواہ مخواہ احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے ہیں تو صاحب وہ ایک
دم چٹلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اکڑ گئے اور ٹائی کا زاویہ درست کرتے
ہوئے جیب سے سگریٹ کیس نکالا۔ اور ایک سگریٹ سلگا کر بولے کہ اس
مولوی میں سوائے اس کے اور کیا برتری ہے کہ چچامیاں نے اس کو بانس پر
چڑھا رکھا ہے۔ چچی اس سے نہ جانے کیوں مرعوب ہیں اور تم کو نہ جانے اس
میں سرخاب کے کون سے پر نظر آنے لگے ہیں۔ میں نے اس سے سر کھپانا
بیکار سمجھ کر چلتے چلتے ایک جگہ کہ دینے کے لئے کہا۔ بھئی مجھے تو مولانا اچھے لگتے
ہیں اور یہ کہہ کر میں وہاں سے رفو چکر ہو گئی اور وہ سگریٹ پیستے رہ گئے۔“

میں نے کہا۔ ”آپ نے اور بھی اس کو میرا دشمن بنا دیا ہے۔ وہ یوں
ہی مجھ سے خار کھاتا ہے اب اور بھی میری جان کا گاہک بن جائے گا۔“

نزہت نے کہا ”نہیں نہیں۔ میں آج ہی ویڈی سے کہہ کر آپ کی زندگی کا بیمہ کرائے دیتی ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”جان کے گاہک سے میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ مجھے اپنی زندگی کا کوئی خطرہ ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں اتنی ہمت تو خیر ہوتی ہی نہیں۔ مگر وہ اپنی حماقت سے مجھے واقعی اپنا حریف سمجھنے لگے گا۔“

نزہت نے کہا۔ ”یہی تو میں بھی چاہتی ہوں اور اب تو جان جان کر اسے جلاؤں گی مجھے تو اُسے پریشان کرنے اور جلانے کا یہ نہایت مجرب نسخہ سوچ گیا ہے۔ میرے نزدیک یہی اس کی سب سے بڑی سزا ہے۔ یہ دیکھئے یہ میں نے اون منگایا ہے اور اب کل سے آپ کو سویٹر بننا شروع کرتی ہوں تاکہ وہ دیکھ دیکھ کر کباب ہو۔“

نزہت ابھی اور جانے کیا کیا باتیں کرتی کہ میرے نے آکر اطلاع دی کہ صاحب باہر لان پر آگئے ہیں اور آپ دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں نج صاحب کے دربار میں حاضری کے لئے چل دیئے۔

(۸)

کلج سے آکر میں نے نج صاحب کو اپنا منتظر پایا وہ برآمدے میں اس طرح ٹہل رہے تھے گویا کچھ متفکر ہوں۔ چہرے پر بیزارگی اور چڑچڑاپن برس رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پکارا۔ ”مولانا ادھر تشریف لائے ذرا۔“

اور جب میں ان کے قریب گیا تو مجھے ساتھ لئے ہوئے اپنے مطالعے کے کمرے میں چلے گئے اور ایک کرسی پر بیٹھ کر دوسری کرسی پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کو خوش تو خیر میں کبھی نہ رکھ سکے گا نہ نماز کا نہ روزے کا، مگر غالباً مجھ سے کوئی تازہ گناہ ایسا سرزد ہوا ہے کہ اس کی فوری سزا دینے کے لئے مجھ پر ایک عذاب نازل کیا جا رہا ہے۔ اب آپ ہی

اپنی نمازوں میں میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں اس امتحان میں پورا
 اتروں۔ اور جو بلا میرے سر آرہی ہے۔ وہ جلد سے جلد ٹل جائے۔“
 میں نے واقعی متفکر ہو کر پوچھا۔ ”مگر بات کیا ہے کچھ معلوم تو ہو۔“
 عبرت کا مرتع بن کر بولے۔ ”اعجاز میاں کے والد محترم فحشی امتیاز علی
 صاحب کا تارا آیا ہے کہ وہ آج تشریف لارہے ہیں۔“
 میں نے کہا۔ ”اچھا پھر!“

کہنے لگے۔ ”پھر کیا۔ پھر یہ ہوگا کہ اس گھر میں اس وقت تک خیریت
 ناممکن ہے جب تک ان کا قیام رہے۔ کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ میری روح
 اگر کسی سے پرواز کرتی ہے تو وہ یہی حضرت ہیں۔ گو بظاہر ان سے نہایت بے
 تکلفی کا رشتہ ہے یعنی وہ میرے ہم زلف ہیں مگر الامان والحفیظ خدا شمن کو بھی
 ایسا ہم زلف عطائے کرے جیسے یہ میرے ہم زلف ہیں۔ ان کی کوئی ایک آدھ
 خصوصیت ہو تو بیان کروں۔ جاہل مطلق۔ پھر اعلیٰ درجہ کے گھامڑ۔ انتہائی
 بدتمیز۔ چلتی ہوا سے لڑنے والے۔ زور درنج، میاں ان کا کچھ ٹھیک تھوڑی ہے
 کہ کب کس بات پر ناراض ہو جائیں۔ کب کس کے سامنے ذلیل کر دیں
 کب کوئی ایسی بات کہہ دیں کہ سننے والے کا خود کشی کرنے کو جی چاہنے لگے۔
 مختصر یہ کہ اس قدر صبر آزمایا واقع ہوئے ہیں کہ ایک عام انسان میں صبر کی اتنی
 مقدار تقریباً ناممکن ہے جتنی ان سے نبٹنے کے لئے ضروری ہے۔ مصیبت
 میرے لئے یہ ہے کہ ان کے صاحبزادے اعجاز میاں یہاں موجود ہیں۔ ورنہ

میں تو ان کا تارا پاتے ہی بھاگ جاتا چھٹی لے کر کسی اور شہر۔ مگر اب بندھا ہوا
 مار کھاؤں گا۔“
 میں نے ہنس کر کہا۔ ”آخر ایسی بھی کیا پریشانی اس قسم کے لوگوں سے
 بھی سابقہ پڑتا ہی ہے۔“

بڑی تشویش سے بولے۔ ”نہیں صاحب! آپ نہیں جانتے مجھ سے
 لکھوا لیجئے کہ میری موت خواہ وہ کبھی واقع ہو اس میں ان حضرت کا ہاتھ ضرور
 ہوگا۔ آپ آج غور سے سارے گھر کو دیکھ لیجئے۔ کل اگر آپ اس گھر کو پہچان
 جائیں تو جو چور کی سزا وہ میری۔ وہ پان کھائیں گے اور دیواروں اور فرش پر
 تھوکیں گے۔ اب اگر میں فرش یا دیواریں دھلوں تو وہ ہرمان جائیں گے
 کہ گویا میں نے ان کی محبت کی اس نشانی کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش
 کی۔ وہ ڈرائنگ روم میں قالین پر بلکہ کبھی کبھی صوفے پر رکھ کر اپنا سزا ہوا حقہ
 پیئیں گے اور میں کچھ نہ کہہ سکوں گا۔ پھر یہ حقہ ایک آدھ مرتبہ قالین پر اور اگر
 انہوں نے مناسب سمجھا تو صوفے پر لٹے گا ضرور اور اس وقت مجھ کو کلچہ پر پتھر
 رکھ کر مسکرا بھی پڑے گا اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ کوئی بات نہیں کوئی مضائقہ
 نہیں۔ وہ میرے نوکروں کے سامنے پرتق میں انڈیل انڈیل کر چائے پیئیں
 گے اور مجھے اس کا خیال رکھنا پڑے گا کہ میرا کوئی نوکر ہٹنے یا مسکرانے نہ پائے۔
 پھر وہ نہایت مہمل قسم کی بے ہودہ باتیں کریں گے اور اگر میری توجہ میں ڈرا بھی
 فرق آیا تو وہ مجھ کو بچھو بچھو کا طعنہ دیں گے اور میری بیوی سے کہیں گے کہ تمہارا

یہ شخص اپنے کو آخر سمجھتا کیا ہے اور سب سے بڑی صحبت یہ ہے کہ یہ فی
خریب پر بروقت پہنچتی ہوگی کہ یہ آخر وہی ہے کہ میں اور تھی اور اس کے بال
کیوں اتنا لائے ہیں اور یہ سچا یہ مسئلہ لے کر کیوں نہیں تھکتی۔“

میں نے کہا۔ ”ہاں یہ ہے البتہ تو اس خطرناک گلیات اس لئے کہ تربیت
سے بھی ذرا ہے کہ وہ خدا جانتے اس بروقت کی تعمیر پر کیا کیا نہیں۔“

حق صاحب نے بڑی ہنسی کے ساتھ کہا ان ہی باتوں پر تو میں بھی غور
کر رہا ہوں کہ خداوند ابھرتے والا کیا ہے ہم پر حال خدا کے لئے آپ تربیت کو
تو سمجھا دیجئے انسان پر ہر قسم کے جنت توڑ سکتے ہیں اور اسی قسم کے تارک
مرحلوں میں سے ایک مرحلہ یہ بھی ہے جب تک یہ حضرت درمیان وہ تو را حیرہ
تخل سے کام لیتی رہے۔“

میں نے کہا میں تربیت کو سمجھا ہوں گا اس کی طرف سے آپ مطمئن
رہیں اور تشریف کیا لارے ہیں۔“

حق صاحب نے تیرا بہت بے چارائی کے ساتھ قریباً ”حضرت اس یہ
سمجھ لیجئے کہ ہر پر کھیل رہی ہے عقل ایک درمیان تربیت کی گاڑی لے کر اس میں
لگے ہوئے ہیں۔ میں نے اختلاف قلب کا بیانات کر کے آپ سے یہ باتیں
کر تے کا بہت مشکل نکالا ہے اور اس میں میں نے عالم یہ ہے کہ اللہ
آپ کی بیچنی جلی تو خیال تو صاحب کمال تو آتی ہے کہ تو کا حقیقہ چھوڑ دی
ہیں اور یہاں میرا یہ حال ہے کہ چلتے صحیح نہیں کاہنہ کیے لرا تھا تھا کہ ان کی

آمد گاہ یہ تار ملا۔ دیکھتا بھی تھا گاڑی آگئی۔ میں ستر پر لیٹا ہوں اپنے
کمرے میں ان گھبریں لانا۔“

اب میں نے یہاں بھی لکھ کر کہا کہ ایک درمیان اپنے والد محترم کا مکتوب سے
استاد کو برا آمد سے کی طرف لارے ہیں۔ میں نے بڑھ کر عرض کیا۔ ”السلام
علیکم اسی طرف تشریف لے آئیے بیچا جان اپنے کمرے میں آپ کا انتظار
قرماریے ہیں۔“

استاد صاحب نے تیرا یہاں پر مل ڈال کر چلے تو مجھے دکھایا تے والی
نظروں سے گھبرا کر کہتے تھے۔ ”یاں صاحب بڑے آدمیوں کی بڑی بیانات
تو را ای دھڑکن ہوئی کہتے تھے اختلاف قلب ذرا ای بیاد کی کا ایک درمیان اور
تم کو ان جو۔“

ایک دن نے کہا۔ ”ان کو ہم سب مولانا کہتے ہیں۔ ویسے ان کا نام
شباب ہے۔ یہاں گھر میں پر یہ قمر ہیں اور حال جان کے کہتے ہیں میں سمجھے
ہوئے ہیں ان کا بھی نہیں قیام ہے۔“

استاد صاحب نے پھر مر سے پھر تک میرا جواز نہ لے کر بڑی
ناگوارائی سے قریب لایا تو چلوں گا کہ ہر تین صاحب پہلے تم تو گھر سے میرا
تکدہ ہے۔“

میں نے اٹھ کر تے ہوئے عرض کیا۔ ”اس کمرے میں تشریف
لے چلیں۔“ اور بڑھ کر وہ تار کھال دیا۔

امتیاز صاحب بڑبڑاتے ہوئے چلے۔ ”ایک دروازہ جالی کا دوسرا
 شیشے کا۔ دوہرے دوہرے دروازے لگوار کھے ہیں احمق بنانے کو۔“
 نج صاحب نے ان کو دیکھتے ہی اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
 السلام علیکم بھائی صاحب!“

اور پھر اٹھ کر گلے لگتے ہوئے کہا۔ ”بھائی صاحب! معاف کیجئے گا
 کہ میں اسٹیشن حاضر نہ ہو سکا اختلاج کی وجہ سے۔“

امتیاز صاحب نے اپنے بدستور کڑے تیوروں سے فرمایا۔ ”میاں
 کون جاتا ہے اپنے غریب رشتہ داروں کو اسٹیشن لینے۔ وہ تو کہو میرا لڑکا یہاں
 موجود تھا نہیں تو مکر میں کھاتا پھرتا جانے کہاں کہاں۔ تو ہوا کیا ہے تم کو؟“
 نج صاحب نے فرمایا۔ ”بھائی صاحب! وہی اختلاج کا پرانا مرض۔“
 اور اتنے میں چچی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ”بھائی
 صاحب تسلیم!“

امتیاز صاحب نے کھرے پن سے جواب دیا۔ ”جیتی رہو۔ اچھی تو
 رہیں اور وہ کیسی ہے نرینا؟“

یہ گویا نزہت کی خرابی تھی۔ چچی نے بھی جواب میں ان کی بیوی یعنی
 اپنی باجی کو اور ان کی صاحبزادی ہلکو یعنی شکیلہ کو پوچھ ڈالا تو انہوں نے نہایت
 جلد کئے انداز میں جواب دیا۔

”بابا! سب ٹھیک ہیں زندہ ہیں اور جب تک کی زندگی لکھلائے ہیں زندہ

رہیں گے، ہم غریبوں کے یہاں اسی کو خیریت کہتے ہیں۔ وہ بھی کہہ رہی تھیں
 آنے کو، تو میں نے کہا کہ غریب کی بھی عزت ہوتی ہے۔ تم کیوں ان کے گھر
 جاؤ، جو خود تمہارے گھر آنے میں اپنی بے عزتی سمجھیں۔“

چچی نے کہا۔ ”واہ بھائی صاحب! مجھے کب عذر ہوا ہے آپ کے گھر
 جانے میں۔ اور اللہ نہ کرے میرا دماغ خراب ہو جائے کہ میں یہ باتیں اپنے
 ذہن میں لاؤں، ایسا ہی ہے تو چلے میں آپ کے ساتھ واپسی میں چلوں گی،
 آپ کے گھر۔“

نج صاحب نے بات ٹالنے کے لئے کہا۔ ”بھئی پہلے بھائی صاحب
 سے کہو۔ غسل خانے جا کر ہاتھ منہ دھولیں۔ پھر کچھ ناشتہ منگاؤ، باتیں تو ہوتی
 ہی رہیں گی۔“

ان حضرات نے کہا۔ ”اجی غسل خانے جا کر میں اپنی عادت کیوں
 خراب کروں؟ لوٹے میں پانی منگا دو۔ یہیں برآمدے میں منہ دھوئے
 لیتا ہوں اور ناشتہ واشتہ نہیں بس اکٹھا روٹی کھائیں گے۔ اب تو مگر خدا نہ
 کرائے تھرڈ کلاس میں سفر بھرتہ بن کر رہ جاتا ہے آدمی۔“

چچی نے کہا۔ ”تھوڑا بہت ناشتہ کر کے آپ ذرا آرام کر لیں تو تھکن
 دور ہو جائے گی میں تو کہتی ہوں نبالیں آپ تازہ ہو جائیں گے۔“

امتیاز صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”بابا! اپنا نہانا تو جمعہ سے
 ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ ارے بھائی وہ نرینا نظر نہیں آئی۔“

بج صاحب نے مجھ سے کہا کہ نزہت کو بلاؤں، چنانچہ میں بج صاحب کے کمرے سے نکل کر نزہت کے کمرے کی طرف چلا کہ اس کو اپنے خالو سے ملنے کے لئے ضروری ہدایات دے کر اور مناسب تلقین کر کے لے آؤں، مگر صاحب واقعی عجیب و غریب بزرگ ہیں یہ تو۔“

(۹)

رات کو کھانے کی میز پر امتیاز صاحب نے مرغ کا ڈونگا اپنی طرف گھسیٹ کر اس میں نوالہ ڈبوتے ہوئے مجھ سے فرمایا۔ ”تو پروفیسر ہوتے۔ خدا کی شان ہے کہ اب ایسے ہونے لگے ہیں پروفیسر۔ ہم نے تو دیکھا ہے پروفیسر رام مورتی کو۔ جب وہ اپنا سر کس لے کر ہمارے شہر میں آیا تھا۔ مونروہ روک لے۔ ہاتھی کو اپنی چھاتی پر وہ کھڑا کر لے۔ سولہ آدمیوں سے بھرا ہوا پھکڑا وہ اپنے اوپر سے گزار دے۔“

بج صاحب نے کہا۔ ”بھائی صاحب یہ اس قسم کے پروفیسر نہیں ہیں۔“ ان حضرات نے بات کاٹ کر کہا۔ ”ہاں ہاں میں جانتا ہوں پروفیسر معشوق علی اب تک موجود ہیں۔ ہاتھ کی صفائی ہے ان کے ہر شعبہ میں کہ

رنگین کاغذ کھا گئے اور پھر کاغذ کے رنگین پھول تھوکنا شروع کر دیئے۔ ٹوپ کے نیچے انڈا بند کیا اور پھر جو ٹوپ بنایا تو بچہ بچہ اٹا ہوا کیڑا موجد۔ اپنی جیب میں گولہ رکھے اور آپ کی جیب سے نکال دے۔ آپ کی انگلی آپ سے لے کر ہوا میں اچھال دے پھر وہی انگلی امرود کاٹ کر اس میں سے نکال دے۔ یہ سب ہاتھ کی صفائی ہے۔ جادو دادو کچھ نہیں۔“

چچی نے کہا۔ ”بھائی صاحب یہ تو کالج میں پروفیسر ہیں۔ خود ایم۔ ایس۔ سی ہیں۔ ماشاء اللہ بہت معقول سخاوت پاتے ہیں۔“

اتیمار صاحب نے مرغ کی ٹانگ کی ہڈی میز کے نیچے پھینکتے ہوئے کہا۔ ”اچھا تو پھر یہ کچھ اور ہوں گے مگر پروفیسر معشوق علی کے پاس بھی بہت سے تمغے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ سنا ہے کہ میں نے ان کا ایک مرتبہ پکڑ لیا۔ بس جناب وہ تو میرے قدموں پر گر پڑا کہ مٹی جی نے یہ میرے پیٹ کا دھندا ہے۔ آپ سمجھ گئے ہیں تو چپ ہو رہیں۔ تو یہ کس قسم کے پروفیسر ہیں۔“

اعجاز نے باپ کی حماقت کا سلسلہ ختم کرنے کو کہا۔ ”ابا جان! یہ کالج میں پڑھاتے ہیں۔ یہ علمی آدمی ہیں۔“

اتیمار صاحب نے پلاؤ کی ڈش اپنے آگے کھسکاتے ہوئے کہا۔ ”تو استاد کہو۔۔۔ کہنے لگے پروفیسر۔“

بیر امرغ کے ذائقے کی طرح پلاؤ کو ڈش کو خطرے میں دیکھ کر پلیٹ آگے کھسکانے کو بڑھا۔ تو ج صاحب نے اس کو آنکھ کے اشارے سے گھورا۔

مگر خود اتیمار صاحب بیرے کا مقصد سمجھ چکے تھے۔ چنانچہ پلیٹ علیحدہ رکھتے ہوئے بولے۔ جی نہیں میں اچھوتوں کی طرح الگ نکال کر کھانے کا قائل نہیں ہوں۔ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم نوالہ ہم پیالہ رہتے ہیں لیجئے پروفیسر صاحب آپ بھی اسی میں کھائیے۔“

میں نے فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی پلیٹ چھوڑ کر ان کے ساتھ ڈش میں شریک ہو گیا پھر انہوں نے اعجاز کو بھی اس ڈش میں شریک کر لیا۔ زہمت غالباً اسی مصلحت کی بنا پر ان سے دور بیٹھی تھی۔ مگر لطف تو اس وقت آیا ہے جب اتیمار صاحب بیٹھے بٹھائے خواہ مخواہ شفقت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ”ورا ان کو دیکھئے اوزاروں سے کھانا کھاتے ہیں۔ بخدا میں اگر کھاؤں اس طرح، منہ زخمی ہو جائے، کوئی پوچھے کھانے کا خاک لطف آتا ہوگا۔ صاحب اپنا تو عقیدہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ انسان کو کھانے میں بے تکلف ہونا چاہئے۔“

آج تو خیر میں اس میز کرسی کے جھگڑے میں پھنس گیا ہوں۔ مگر کل سے میرے لئے فرشی دسترخوان بچھے گا۔ اور ج پوچھئے تو مزا آتا ہے۔ باورچی خانے میں بیڑھی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا گرم گرم روٹی تو سے سے اترتی جاتی ہے اور کھاتے جاتے ہیں۔ میری سمجھ میں تو آتا نہیں یہ کوٹ پتلون میں اپنے کو جھکڑ کر اور کسی پر اپنے کو ٹانگ کر کھانا کھانا۔ پیٹ پر تو کسی ہوتی ہے بیٹی بھلا کھانا جائے تو کیسے جائے پیٹ میں اور ان صاحبزادے کو دیکھئے اعجاز میاں کو ان کا بھی دماغ یہاں آ کر خراب ہو گیا ہے جب ہی تو بوئی نہیں چڑھتی ہے۔

جسم پر ان کی عمر میں اپنا تو یہ حال تھا کہ چٹان کی چٹان سینہ تھا۔ پاؤں ڈیڑھ پاؤں گھٹی تین چار سیر دودھ میں ملا کر تو غسل کی طرح غٹا غٹ پی جاتے تھے اب پیتے ہیں یہ لوگ چائے جس سے ہڈیوں کا گودا پکھلتا ہے اور یہ جو ہمارے برادر عزیز اختلاف کا طوطا پالے بیٹھے ہیں۔ یہ سب اسی چائے کی برکت ہے۔ بھی دیکھو! خانہ سالن مجھے تو تم سویرے چائے لائے دینا نہیں۔ دو تین گلاس دہی کی ذرا گاڑھی لسی کے پی لوں گا۔ یہ چائے میرے بس کاروگ نہیں ہے۔ صاحبزادے تم نے بھی یہاں چائے کی عادت ڈال لی ہوگی؟“

اعجاز نے کہا۔ ”جی ہاں! میں تو چائے پیتا ہوں۔“

امتیاز صاحب نے قطعی فیصلہ کر دیا۔ ”بس تو ہماری عمر کو پہنچے تو لگتی پر

ڈالنے کے قابل ہو جاؤ گے۔“

بچ صاحب نے پوڈنگ بڑھاتے ہوئے کہا۔ بھائی صاحب یہ پوڈنگ تو آپ نے چٹھی ہی نہیں۔“

امتیاز صاحب نے پوڈنگ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لو بھلا میں اسے سجاوٹ کی کوئی چیز سمجھتا تھا۔

اور یہ کہہ کر روٹی سے پوڈنگ کھانا ہی چاہتے تھے کہ نہ بہت میز سے اٹھ کر بھاگی باہر تو امتیاز صاحب نے چونک کر کہا۔ کیا ہوا؟ یہ نر یا کہاں گئی ایک دم سے؟ چچی نے کہا۔ ”چھینک آرہی تھی شاید ابھی آتی ہے۔“

اور اعجاز نے جلدی سے پوڈنگ طشتری میں نکال کر معدے چمچے کے ان

کے سامنے بڑھادی مگر انہوں نے چمچہ ایک طرف کھسکا کر روٹی ہی سے پوڈنگ ختم کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو ایک قسم کی کھیر ہوئی میں بھی کہوں کہ جانے یہ کونسا گریجویٹ کھانا ہے۔ جس کا اتنا بڑا انگریزی نام لے کر مجھ کو خواہ مخواہ ڈرا دیا گیا تھا۔“

اور یہ کہہ کر ایک نہایت خوفناک ڈکار لیتے ہوئے وہ میز سے اٹھ گئے اور اپنے گلے میں پڑے ہوئے چاندی کے خلال سے دانت کریدتے رہے۔ میں ہاتھ دھو کر سیدھا نہ ہت کی تلاش میں اس کے کمرے میں جو پہنچا تو وہ مجھ کو دیکھ کر پھر ایک دم کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ ”میں نے کہا۔“ واقعی بڑا مشکل کام ہے آپ کے ان خالو کے پاس بیٹھ کر اپنے کو قابو میں رکھنا۔“

نہ بہت نے ہنسی پر عارضی سا قابو پا کر پھولی ہوئی سانسوں سے کہا۔ ”روٹی سے پوڈنگ۔“ اور پھر ہنستے ہنستے ٹوٹ گئی۔ ابھی اس کا دورہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ چچی بھی تشریف لے آئیں اور نہ بہت کو اس طرح ہنستے ہوئے دیکھ کر خور بھی ہنس دیں۔ اللہ بچائے بھائی صاحب بھی سچ سچ کوئی کہاں تک ہنسی روکے۔ مگر مولانا تم نے بھی کمال کر دیا کہ اپنی پلیٹ چھوڑ کر ان کے ساتھ ڈش بی میں پلاؤ شروع کر دیا۔“

میں نے کہا۔ چچی ایک تو ان کا حکم تھا۔ دوسرے اگر یہ نہ کرتا تو مرغ کی طرح پلاؤ سے بھی محروم رہتا۔“

بچ صاحب بھی ہم لوگوں کو ڈھونڈتے ہوئے یہیں آ گئے اور آتے ہی

مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”دیکھ لیا مولانا آپ نے۔ سچ کہئے گا۔ پہلے بھی کبھی دیکھا تھا ایسا جانور۔“

چچی نے کہا۔ ”تو بہ ہے چپ بھی رہو اور جو وہ سن لیں تو۔“
 جج صاحب نے کہا۔ ”جی نہیں وہ اپنے برخوردار کو لے کر اپنے معدے کو ٹھیلانے گئے ہیں باہر۔ اللہ جانے واپسی کا ارادہ کب تک ہے۔“
 چچی نے کہا۔ ”سواکھی سے مجھے تو کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ اب کی ذرا اطمینان سے ٹھہرنے کا ارادہ ہے بیٹے سے کچھ دھوبی دہلی کی باتیں کر رہے تھے۔ بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ اصرار کر کے باجی کو بلوالیں۔“

جج صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”بھئی خدا نہ کئے۔“
 میں نے کہا۔ ”ایک بات ضرور ہے کہ جب سے یہ بزرگ محترم تشریف لائے ہیں۔ آپ کی زبان پر بار بار خدا کا نام آجاتا ہے اور چچی بھی اللہ بچائے اور تو بہ ہے کس قسم کی باتیں کرنے لگی ہیں۔“
 جج صاحب نے کہا۔ ”یہ تو ہے ہی۔“

مصیبت کے زمانے میں خدایا داتا ہے

”آپ میری ذہنی کوفت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ مولانا اور ابھی کیا ہے۔ ابھی تو آپ نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے اب مثلاً کل سے فرشی دسترخوان کی دھمکی تو وہ دے ہی چکے ہیں۔ اسی قسم کے بہت سے انقلاب ہم پر گذریں گے

اور اس کے باوجود یہ حضرت ہم سے خوش نہیں رہ سکتے۔ واپسی ہوئی لڑ رہی۔“
 نزہت نے کہا۔ ”ڈیڈی! مجھ کو تھوڑے دنوں کے لئے کہیں بھیج دیجئے۔“

جج صاحب نے بڑی کس پرسی کے عالم میں کہا۔ ”ڈارلنگ! اس مصیبت میں کیا تم بھی مجھ کو چھوڑ دینا چاہتی ہو؟“
 چچی نے کہا۔ ”نہیں! میں ان بچوں کو کل سے علیحدہ کھانا دوں گی۔ یہ کیوں ہمارے ساتھ اس عذاب میں مبتلا رہیں۔ آج ہی کھانے پر بے پی کو ہنسی آگئی تھی۔ وہ دیکھ لیتے تو قیامت آجاتی۔“
 جج صاحب نے کہا۔ ”ذرا لیکن تک جا کر دیکھو۔ تمام نوکر ہنسی اڑا رہے ہیں اور یہ سب نوکر یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ ہمارے صاحب کی اصلیت یہ ہے جو یہاں بڑے جج صاحب بنے بیٹھے ہیں۔“
 باہر سے امتیاز صاحب کے کھنکارنے کی آواز جو آئی تو سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا اور سب تتر بتر ہو گئے۔

گلدانوں میں کسی کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مولانا کے کپڑوں پر فوراً استری کرو۔ خود بھی کبھی میری کتہا میں صاف کر کے قرینے سے رکھ رہی ہے۔ کبھی خاص اپنی نگرانی میں جمعدار سے کمرے کے قالین صاف کر رہی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ جب دیکھئے اس کے ہاتھ میں اون کا کچھا ہے۔ سویٹر بننے میں مصروف ہے۔ اس سویٹر کا اس نے ایسا ڈھنڈورہ بیٹا تھا کہ شفقت تو شفقت اب سب ہی کو معلوم تھا کہ سویٹر اس انہماک سے میرے لئے بنا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں حج صاحب تک مجھ کو مبارکباد دے چکے تھے کہ بھی تم قسمت کے بڑے دھنی ہو کہ بے بی تمہارے لئے سویٹر بن رہی ہے جس نے کبھی اپنے باپ کو بھی دو بالشت کی ٹائی بن کر نہیں دی۔ چچی کو بھی حیرت تھی کہ نزہت کو یہ کیا انقلاب آ گیا ہے۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ یہ جب علی نہیں ہے بلکہ صرف بغض معاویہ ہے۔

ایک دن جو میں کالج سے واپس آیا۔ تو نزہت نے مجھ کو یہ کہہ کر چونکا دیا کہ مولانا مجھے نماز سکھا دیجئے۔

میں نے اپنی سماعت پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے کہا۔ ”جو کچھ میں نے سنا ہے وہی کہہ رہی ہیں نا آپ؟ کہ میں آپ کو نماز سکھا دوں۔“
اس نے کہا۔ ”ہاں ہاں! کہہ تو رہی ہوں کہ آپ مجھے نماز سکھا دیجئے۔“
میں اب پابندی سے نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔“

میں نے واقعی خوش ہو کر کہا۔ ”بڑی خوشی کی بات ہے مگر مجھے سمجھا تو دیجئے کہ نماز کا ایک دم سے ارادہ کیونکر ہو گیا؟ کوئی خواب دیکھا ہے آپ نے

(۱۰)

ایک طرف تو نزہت کے خالو کی صورت میں ایک قبر الہی اس گھر پر نازل تھا۔ دوسری طرف شفقت تو واقعی میری جان کا گالک بنا ہوا تھا۔ ایسی قبر آلود نظروں سے مجھ کو دیکھتا تھا کہ جیسے کھاسی تو جائے گا۔ اور اس کو واقعی جلنا بھی چاہئے تھا۔ اس لئے کہ نزہت نے کچھ ضرورت سے زیادہ میرا خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔ ہر چند کہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ شفقت صاحب کو زیادہ سے زیادہ جلانے۔ مگر اسی بہانے میرے وہ ناز و نعم ہو رہے تھے کہ میں یقیناً ان کا مستحق نہ تھا۔ مثلاً میرے کالج جاتے ہی وہ میرے کمرے کی صفائی کا اہتمام شروع کر دیتی تھی اور وہ بھی اس دھوم دھام کے ساتھ کہ شفقت کو کسی طرح خبر ہو جائے۔ کسی نوکر سے کہہ رہی ہے کہ مولانا کے کمرہ میں تازہ پھول لا کر لگاؤ

یا کسی خاص واقعہ سے متاثر ہو کر یہ نیک ارادہ فرمایا ہے۔ آخر قصہ کیا ہے؟“
 نزہت نے کہا۔ ”آپ کو کیا معلوم کہ مجھ کو نماز پڑھنا دیکھ کر شفقت
 کے پھیلنے پر کیسے کیسے سانپ لوٹیں گے اور اپنی ہی آگ میں کیسا کیسا بھنے گا کہ
 آپ کا مجھ پر یہاں تک اثر پڑ گیا کہ میں نماز بھی پڑھنے لگی۔“
 میں جتنا خوش ہوا تھا اتنا ہی سنجیدہ بن گیا۔ ”میری رائے یہ ہے کہ نماز
 کو آپ اس سلسلے میں استعمال نہ کریں۔ محض شفقت کو جلانے کے لئے آپ
 جو کچھ کر رہی ہیں وہ کافی سے زیادہ ہے۔ وہ گئی نماز جب کبھی پڑھے۔ خدا کے
 لئے پڑھے گا اور اپنا فرض سمجھ کر پڑھے گا۔“
 نزہت نے بے جستگی سے کہا۔ ”اور فرض کر لیجئے کہ میں شیطان کو ناخوش
 کرنا چاہوں نماز پڑھ کر تو؟“
 میں نے کہا۔ شیطان سے آپ کی مراد اگر شفقت ہے تو یہ غلط ہے۔
 ویسے نماز پڑھنا تو ہر حال میں بہتر ہے مگر نماز کا اصل مقصد بھول کر اس مقصد
 کے لئے نماز پڑھنا نماز کی مقصدیت کے خلاف ہے۔ اس کام کے لئے تو
 آپ بس یہ سوچنا بنتی رہیں۔“
 اسی وقت میرے نے لا کر مجھے ایک پارسل دیا۔ میں نے رسید پر
 دستخط کر کے حیرت سے پارسل کھولا کہ یہ کیا ہو سکتا ہے۔ پارسل میں دو نہایت
 خوبصورت ٹائیاں تھیں اور ایک خط۔

”میرے پیارے بھائی جان! خدا کرے یہ سا لگرہ کا تحفہ آپ کو

سا لگرہ ہی کے دن ملے اور خدا یہ دن رفتی دنیا تک آپ کے لئے لائے۔“
 ستارہ
 میں نے کہا۔ ”اوہو! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آج میری سا لگرہ ہے۔
 یہ تو شری ستارہ نے یاد دلایا۔“
 نزہت نے کہا۔ ”کمال کر دیا آپ نے یعنی ہم سے سا لگرہ چھپائے
 رہے۔ تاکہ ہم سا لگرہ کا تحفہ بھی نہ دے سکیں۔“
 میں نے کہا۔ ”مجھے خود بھی یاد نہ تھا۔ دوسرے تحفے کا تو میں قائل ہی
 نہیں ہوں۔ یہ ستارہ تو دراصل تحفہ ہوتی ہے۔ میری سا لگرہ کے موقع پر اس قسم
 کا تحفہ دے کر اپنی سا لگرہ کے موقع پر مجھ سے نہایت قیمتی تحفے کی وصولیابی کا
 اس طرح بندوبست کر لیتی ہے۔“
 نزہت نے جاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ہاں تو یہ ختم ریزی میں بھی
 کیوں نہ کروں؟“
 میں اس کو پکارتا ہی رہ گیا مگر وہ جلدی اور تھوڑی ہی دیر میں دیکھتا کیا
 ہوں کہ چچی بھی چلی آ رہی ہیں۔ میرے کمرے میں اور جج صاحب بھی
 آ موجود ہوئے۔ جج صاحب نے آتے ہی سا لگرہ کی مبارک باد دے کر کہا۔
 ”چلو آج اسی بہانے ذرا پر تکلف چائے تو مل جائے گی۔“
 چچی نے کہا۔ ”مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو ان کے کالج سے ان کے
 ایک آدھ دوست کو بھی بلوا لیتی چائے یا کھانے پر۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”خاک بھولیتیں آپ۔ سب کے بجائے آپ
لے بھائی صاحب جو موجود ہیں۔ خدا کرے چائے کے وقت تک واپس نہ
آئیں ورنہ کسے خبر کہ وہ اس رنگ میں کیا بھنگ ڈال دیں۔“
میں نے کہا۔ ”آپ بھی خواہ خواہ نزہت کی باتوں میں آگئے بھلا
سالگرہ بھی کوئی تقریب ہے۔ میری سمجھ میں تو یہی نہیں آتا کہ زندگی کا ایک
سال کم ہونے کی لوگ خوشی کیوں مناتے ہیں؟“

چچی نے کہا۔ ”او اور سنو۔ یہ زندگی میں ایک سال کم ہونا کیسے ہو گیا؟“
جج صاحب نے بیوی کو چھیڑا۔ ”تمہارے جسم کے ساتھ عقل بھی غالباً
کچھ موٹی ہو گئی ہے یا بہنوئی کی صحبت کا یہ فیض ہے؟“
بھئی ایک سال کم ہی ہوتا ہے ٹھیک تو کہہ رہے ہیں مولانا۔“

میں نے پوچھا۔ ”اور یہ نزہت کہاں رہ گئیں۔“
جج صاحب نے کہا وہ اب ہوگی مال روڈ کی کسی دوکان پر نہ جانے
تخنے کے طور پر کیا بنو رلائے۔“

میں نے کہا۔ ”لاحول ولا قوۃ اس شریر ستارہ نے اتنے دور بیٹھے بیٹھے
یہ پھلجھڑی چھوڑ دی۔ بھلا تخنہ کے تکلف کی کیا ضرورت تھی خواہ خواہ۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”نہیں۔ خیر یہ تو ہونا چاہئے تھا۔ افسوس صرف یہ
ہے کہ نوٹس بہت مختصر ملا ہے۔“

چچی نے کہا۔ ”اور اب اس کو یہاں بیٹھ کر باتیں بنانے میں اور بھی مختصر کر

رہے ہیں وہ جن لڑکیوں کے نام بتا گئی ہے۔ کم سے کم ان کو ٹیلیفون ہی کر لیجئے۔“
میں نے اب پھر منع کیا کہ اس مذاق کو مزید طول نہ دیا جائے مگر میری
ایک نہ سنی گئی اور دو گھنٹے کے بعد جج صاحب کی کوٹھی کے سبزہ پار پر ایک
باقاعدہ چھوٹی سی تقریب منعقد ہو گئی جس میں نزہت کی کچھ سہیلیاں بھی
شامل تھیں۔ شفقت صاحب بھی آتش فشاں بنے بیٹھے تھے اور شکر ہے کہ جج
صاحب کی یہ دعا بھی قبول ہو گئی تھی کہ امتیاز صاحب مع اپنے صاحبزادے
کے غائب تھے۔ نزہت نے برتھ ڈے ایک تک کا انتظام کیا تھا اور تحفوں کی
میز پر جج صاحب کی طرف سے ایک قیمتی قلم، چچی کی طرف سے بجلی کا سیفٹی
ریزر۔ نزہت کی سہیلی میری کی طرف سے کتابوں کا ایک پیکٹ۔ ایک دوسری
سہیلی نذرا کی طرف سے ایک گلدان، تیسری سہیلی ناہید کی طرف سے فیمل
لیپ، شفقت صاحب کی طرف سے ایک تسبیح اور خود نزہت کی طرف سے
ایک ٹرے میں رکھی ہوئی ایک ٹائم میس اور ایک چائے کی کیتلی میں نے اپنی
جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے پوچھا:

”اور باقی تخنہ تو سمجھ میں آگئے۔ مگر نزہت کا تحفہ میرے لئے ایک
معمہ بنا ہوا ہے۔“

نزہت نے کہا۔ ”جناب یہ بڑے کام کی چیز ہے۔ خصوصاً آپ ایسے
نمازی پرہیزگار شب بیدار اور سحر خیز کے لئے۔ یہ دیکھئے یہ الارم والی ٹائم میس
ہے جس وقت صبح اٹھنا ہو وقت لگا کر اور یہ بجلی کا شو پلگ میں لگا کر سو رہے۔“

اب مثلاً آپ کو چار بجے اٹھنا ہو اور چار ہی بجے پر آپ نے گھڑی لگائی ہے۔ یہ اپنا کام چار بجنے میں دس منٹ پر شروع کر دے گی اور ٹھیک چار بجے جب الارم بجے گا۔ آپ کو اس کیتلی میں گرم ماگرم چائے بھی تیار ملے گی تاکہ آپ ہڈی بھی لے سکیں۔“

میرے علاوہ اس شخص کو سب ہی نے پسند کیا۔ اصل قصہ یہ تھا کہ یہ سب روپے کا کھیل تھا۔ ذرا سا بہانہ مل گیا اور یہ محترمہ جا کر سینکڑوں روپے صرف کر آئیں میں ابھی یہی غور کر رہا تھا کہ یہ نہ جانے کس قیمت کی چیز ہوگی کہ جج صاحب نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے فرمایا۔

”میری دلچسپی کا مرکز ان میں سے کوئی تھہ نہیں۔ صرف چائے اور اس کے ساتھ کی دوسری چیزوں کے علاوہ یہ کیک ہے۔ لہذا اب اگر آپ سب اس طرف متوجہ ہو جاتے تو مجھ پر احسان ہوتا۔“

نزہت نے میرے ہاتھ میں چھری دے کر کہا۔ ”لیجئے نا آپ کیک کاٹنے تاکہ چائے شروع ہو سکے۔ لیجئے یہ موم بتیاں بجھا کر کیک کاٹیں۔“ میں نے کیک جیسے ہی کاٹا سب نے تالیاں بجا کر گویا اس تقریب کی تکمیل پر اظہار مسرت کیا اور پھر چائے کا دور شروع ہو گیا۔ اس پر تکلف چائے کے بعد بھی کافی ہنگامہ رہا۔ مثلاً ناہید سے زبردستی کا گانا سنا گیا۔ میری نے منظور نہ کیا۔ ورنہ اس کا ناچ بھی ہوتا۔ مختصر یہ کہ بڑی دلچسپ رہی یہ پارٹی۔“

(۱۱)

اب اس کو خواہ شامت اعمال کہہ لیجئے یا میری بد نصیبی کی انتہا کہ منشی امتیاز علی صاحب زبردستی میرے دوست بن کر رہ گئے۔ غالباً یہ دیکھ کر کہ یہاں صرف یہی ایک شخص ہے جو نماز پڑھ لیتا ہے انہوں نے میرے متعلق یہ رائے قائم کر لی کہ میں کچھ پرانے خیالات کا آدمی ہوں اور میں نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ ان کے اس حسن ظن کی تردید نہ کروں۔ چنانچہ جب دیکھئے وہ مع اپنے حق کے دھڑے ہوئے ہیں۔ میرے کمرے میں اور مصروف ہیں میرا دماغ تناول فرمانے میں۔ بے ذہنگی اور بے سرو پاتیاں کرنا اس شخص کا فن تھا۔ مگر ان حضرت کو بھی میرا ایسا اپنا معتقد شاید ہی سمجھی ملا ہو بات یہ ہے کہ جج صاحب سے ان حضرت کا حدود و اربعہ معلوم کر لینے کے بعد میں نے یہی طے کیا تھا کہ ان حضرت سے کبھی الجھنے کی کوشش نہ کروں گا۔ وہ

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی انگریزی اسپتال میں داخل ہو گیا ہوں۔ ایک دفعہ پیر میں ایک پھوڑا نکل آیا تھا۔ اس میں شکاف دلوآنے اسپتال چلا گیا تھا۔ بھی اللہ جانتا ہے آپریشن کرنے والی میز پر میں نے اتنے اوزار نہیں دیکھے جتنے مجھ کو اس گھر میں کھانے کی میز پر نظر آتے ہیں۔“

عرض کیا۔ ”کچھ پوچھئے نہیں۔ حالانکہ جومزہ ہاتھ سے کھانے میں آتا ہے وہ قیامت تک چھری کانٹے سے نہیں آسکتا۔“

کہنے لگے۔ ”اچی تو بہ کرو۔ تجھے سے کھا کر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دو اپنی لی“

عرض کیا۔ ”کیا عرض کروں۔ کیسا کیسا دل چاہتا ہے کہ اپنے طریقے پر چاولوں میں دال ڈال اسے ہاتھ سے خوب ملائیں۔ کبھی تھوڑا سا اچار ملا لیا کبھی تھوڑی سی چٹنی اور پانچوں انگلیوں کی مدد سے ایک سڈول سا نوالہ بنا کر منہ میں لے گئے پھر انگلیاں مزے سے چٹا چٹ چاٹ لیں۔ پھر ایک انگلی چٹنی کی لی۔ تھوڑا سا اچار چکھا۔“

منشی جی نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”اور کیا مزہ اسی میں ہے یہ کہ ایک صاحب جکڑے ہوئے بیٹھے اوزاروں سے کھانا اس طرح کھا رہے ہیں جیسے کھانا خود ان کو کھا رہا ہو۔ یہاں اتم ہی بتاؤ اس طرح کھانا کھانے میں ٹاپ کرنے میں کیا فرق ہے؟“

میں نے کہا۔ ”درست فرمایا آپ نے بڑی اچھی مثال دی ہے

اگر دن کو رات کہیں گے تو میں تارے تک گن کر دکھا دوں گا۔ وہ اگر رات کو دن کہیں گے تو میں چاند کو سورج ثابت کر کے ان کی تائید کر گزروں گا۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ میں خواہ خواہ ان سے الجھ کر اپنی شامت کو خود دعوت دینے بیٹھ جاؤں۔ خیر! اس طریقہ کار سے وہ شامت تو نل گئی۔ مگر اب اس شامت سے مفر نہ تھی کہ وہ بس مجھ سے چپک کر رہ گئے تھے۔ نہ میں پڑھنے کا ہاتھ نہ لکھنے کا بلکہ ان کی باتیں سن سن کر دماغ میں اس حیرانی سے بھوسہ بھر رہا تھا کہ اپنے تھینے کے مطابق مجھ کو تین مہینے کے بعد پاگل خانے میں ضرور ہونا چاہئے تھا۔ نزہت سے لے کر جج صاحب تک سب ہی حیران تھے کہ میں نے آخر منشی جی پر جادو کیا کر دیا ہے کہ وہ تو جیسے میرے گرویدہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ چنانچہ منشی جی کا قول تھا کہ ”ہیرا آدی ہیں مولانا“ جواب نہیں ہے ان کا۔ باقی تو اس گھر میں بس اللہ کا فضل ہے۔“

کالج سے واپسی پر منشی جی مجھ کو کوٹھی کے پھاٹک کی طرف نشانہ باندھے ہوئے ملتے تھے۔ اس لئے کہ ان کا واحد شکار میں تھا۔ مجھے دیکھا اور اپنا حق اٹھا کر میرے کمرے میں آگئے۔ اب بیٹھے جج صاحب پر دانت پیس رہے ہیں۔ ان کی زندگی کے اسلوب کی ہنسی اڑا رہے ہیں۔ ان کی بیوی کے دماغ کی خرابی کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ نزہت پر تنقید ہو رہی ہے اور ان میں سے ہر معاملہ میں گویا میں ان کا ہم خیال ہوں۔ مثلاً کہنے لگے:

بھئی! اکمال کرتے ہو مولانا تم کداس گھر میں رہ رہے ہو۔ تمہاری قسم!

صاحب ہم تو ترس گئے اپنے طریقہ پر کھانا کھانے کے لئے۔

کہنے لگے۔ ”اور ایک کھانے پر کیا ہے حقہ اگر ساتھ نہ لاتا تو مارا گیا تھا اس پردیس میں۔ تم حقہ نہیں پیتے مولانا؟“

میں نے ندامت سے کہا۔ ”جی ہاں محروم ہوں اس نعمت سے مگر میں تو سگریٹ بھی نہیں پیتا۔ اگر تمباکو پیتا ہوتا تو یقیناً حقہ ہی پیتا۔ سگریٹ سے تو صاحب مجھے بھی الجھن ہوتی ہے اور وہ یاغیہ تو خدا نہ یلوائے جو جج صاحب پیتے ہیں۔“

کہنے لگے۔ ”میاں وہ پاپ بھی کیا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ ایک قسم کا گونا حقہ ہے تم نے دیکھا ہوگا ہمارے یہاں ذرا چھوٹے درجے کے لوگ حقہ پر سے چلم اتار کر پی لیا کرتے ہیں۔ میں تو اس پاپ کو بھی وہی چلم سمجھتا ہوں۔“

میں نے فوراً تسکیدی۔ ”بجائز شاد ہو یا لکل وہی چیز ہے اور اس قدر بدبودار تمباکو اس میں پیتے ہیں کہ توبہ تو ہے۔“

غشی جی نے کہا۔ ”بھیا! یہاں کا تو بابا آدم ہی نرالا ہے۔ اونڈیا ہے۔ اس کا ناس مارا جارہا ہے۔ کوئی پوچھے کہ لڑکی ذات پر آیا و حسن اس کو جو تم میم بناتے چلے جا رہے ہو تو کس گھر میں اس کا گذر ہوگا؟“

میں نے تعجب سے کہا۔ ”ہاں صاحب یہ بات واقعی غور کرنے والی ہے کہ نزہت بی بی کا آخر کیا ہوگا۔ گلاب جاسن کی جگہ چ کلیٹ وہ کھائیں۔ گڑیوں کی جگہ بیہ مشن وہ کھیلیں۔ بھلا لڑکی ذات اور سائیکل کی سواری ہلکہ

اب تو گھوڑا بھی خرید لیا ہے۔ سواری کے لئے۔“

بڑی بیزاری سے بولے۔ ”اللہ حافظ ہے میاں اس لڑکی کا۔ میں نے تو لڑکوں کا بھی وہ حال نہیں دیکھا جو اس لڑکی کا دیکھ رہا ہوں۔ بھلا غضب خدا کا اونڈیا کے بال تک کٹوا دیئے ہیں۔ ناخن دیکھے تو ڈر لگے۔ لمبے لمبے شیر کے پنچے لئے پھرتی ہے یہ تو بابا ساس سر کا منہ نوچ لے گی ان ناخنوں سے۔ یہ عمر ہونے کو اتنی اور پردے میں بھی صاحبزادی کو نہیں بٹھایا گیا۔ خیر صاحب تم انگریز ہو گئے ہو نہ کہ اوپر وہ۔ مگر اس طرح کئے ہوئے کنکڑے کی طرح بھی نہ پھراؤ۔ میاں بس اب انہیا یہ ہے کہ دوپٹے تک نہیں اوڑھتی۔ میرا تو دیکھ دیکھ کر خون کھولتا ہے۔ اللہ جانتا ہے اپنی لڑکی ہوتی تو گلے میں پتھر باندھ کر دریا میں جھونک آتا۔ مگر پرانی اولاد پر کیا اجارہ ہے؟“

میں نے کہا۔ ”پتھر بھی آپ بزرگ ہیں اور آپ کی بات بھی جج صاحب مانتے ہیں اس سلسلے میں آپ کو سمجھانا چاہئے۔“

کہنے لگے۔ ”جی نہیں بخشے مجھے اور بات کیا مانتے ہیں میری مجھے چند، دقیانوس گنوار اور جاہل سمجھا جاتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ میں نے وقت بے وقت کے لئے روپیہ جمع کیا ہے اور یہ اتنے بڑے جج جو کبھی لفافہ ہی ہیں۔ خاک بھی جمع نہ کیا ہوگا کچھ بس سوٹ پہن ڈالے۔ میرے اور خانساہے رکھ لئے۔ سیزر پر بیٹھ کر چھری کاٹنے بجائے۔ موٹروں پر خرائے بھر لئے۔ وہی مثل کہ کوڑی نہ رکھ کفن کو۔ یہاں زندگی بھر پیسہ جوڑ جوڑ کر مر گئے نہ جانے کیسا

وقت آپڑے۔ اب آپ کی دعا سے اپنی زمینوں اور مکانوں کے علاوہ چار پیسے بھی دوبار کھے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں صاحب! آپ کی قسم کے عاقبت اندیش چاہیں تو خرید سکتے ہیں اس قسم کے جج صاحبوں کو۔“

کہنے لگے۔ شکر ہے پروردگار کا کہ ان کے تیل نہیں ہیں۔ لڑکا یہاں رہتا ہے تو اب تم سے کیا چوری کسی نہ کسی طرح اس کا خرچ بھی ان کے سر نہیں رہنے دینا چاہتا دو پیسے لگی کے ساتھ لے کر آیا ہوں۔ دو مہینے ہوئے ایک بوری چینی کی بیج دی تھی۔ کبھی گندم پہنچا دیا۔ کبھی مرغیاں بھیج دیں۔ ایک آدھ درجن پچھلے سال بھی نہیں بھیج دی تھیں کہ لو خالص دودھ دہی کھاؤ اور مزے اڑاؤ۔ مارڈالا اس غریب کو بھی۔ مطلب یہ کہ انسان کبھی نہیں لیا کسی کا۔“

عرض کیا۔ ”جی لاحول ولا قوۃ آپ بھلا کیوں احسان لینے لگے مگر میں پھر عرض کروں گا کہ آپ ہی گویا اس خاندان کے بڑے بوڑھے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ کم سے کم نزہت کی تربیت کے سلسلے میں ذرا سمجھائیں جج صاحب کو۔“

منشی جی نے کرسی آگے کھسکا کر بڑے رازدارانہ انداز سے کہا۔ ”لو اب مجھ سے سنو۔ بات یہ ہے کہ تم ہی سے دل کی بات کہہ سکتا ہوں کہ میں آیا اسی لئے تھا کہ اب خیر سے اعجاز بھی شادی کے قابل ہوا اور نرینا بھی ماشاء اللہ جوان ہے۔ گھر کی لڑکی ہے۔ گھر کا لڑکا ہے۔ بات چلی کر لو۔ مگر میں تو یہاں کا رخا نہ ہی کچھ اور دیکھ رہا ہوں۔ بھلا اس میم کو میں کیسے سہو بنا سکتا ہوں۔“

میرے گھر میں اس کا کہیں گزر؟“

میں نے کہا۔ نہیں خیر ابھی اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ وہ تو بچہ ہے۔ اس کو جیسی اٹھان اٹھایا جائے گا وہ ایسی ہی بن جائے گی۔“

کہنے لگے۔ ”یار مولانا۔ سمجھ دار آدمی ہو کر ایسی باتیں کہہ رہے ہو۔ وہ تو اعجاز کو اپنا خاندان بنا کر رکھ دے گی۔ نابایا میرے سر میں اتنے بال نہیں ہیں۔ تمہاری قسم، دم سادھ کر رہ گیا ہوں۔ دل کی دل میں لئے چپ بیٹھایہ رنگ دیکھ رہا ہوں اور یہاں یہ حال کہ وہ جو ہے خالص ولایتی مال ان حضرت کا بھتیجا شفقت وہ ان کے بھی کان کاٹ رہا ہے۔ میاں وہ تو زمین پر پیر ہی نہیں دھرتا۔ مجھے تو کچھ یہ نظر آ رہا ہے کہ اسی کو داماد بنانے کے لئے پالا جا رہا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”قبلہ میں نے کبھی اس مسئلہ پر غور نہیں کیا۔ مگر جہاں تک میرا خیال ہے جج صاحب کا یہ تو ارادہ نہیں ہے۔“

یہ گفتگو ادھوری ہی رہ گئی۔ اس لئے کہ نزہت ایک دم سے کمرے میں آتے آتے واپس جانے لگی۔ تو منشی جی نے اس کو پکارا۔ ”چلی کہاں آتی کیوں نہیں کہاں ہیں باوا تیرے؟“

نزہت نے بیزارئی سے کہا۔ ”ڈیڈی اور می گورنمنٹ ہاؤس کے ایٹ ہوم میں گئے ہیں۔ آپ دونوں کے لئے چائے نہیں بھجوائے دیتی ہوں۔“

”اور یہ کہہ کر وہ یہ جا اور وہ جا۔“

میرا کمرہ ان کا اگلا لدان بن کر رہ گیا تھا۔ فرش کا چپہ چپہ اور درود یوار کا ہر حصہ ان کے پان کی پچکاریوں سے لہو لہان نظر آتا تھا۔ ان کا وہ حقہ جو جج صاحب کے گول کمرے کے قالین اور صوفوں پر اوندھنا چاہئے تھا۔ یہ شوق اور یہ فریضہ میرے کمرے میں ادا کرتا تھا مگر کیا مجال کہ میری پیشانی پر ایک شکن بھی کبھی پیدا ہوئی ہو۔ وہ میرا دماغ دن رات چاٹنے میں مصروف تھے اور ان کے لئے گویا میرے دماغ پر یہ مصرع لکھا جا چکا تھا۔

روزئی خود سے خورد لبر خوان تو

مگر کبھی جو میرے کسی انداز سے بیزارئی برسی ہو۔ آخر ایک دن جب کہ منشی جی مع اپنے بلند اقبال کے ایک درگاہ پر حاضری کے لئے تشریف لے گئے تھے جج صاحب نے موقع پا کر مجھ کو گھیر لیا۔

”ارے بھئی مولانا! خدا کے لئے یہ نو بتاؤ کہ تم نے اس بلائے بے درماں کو اپنے کس عمل سے تالیع کیا ہے؟ یا تو تم واقعی جادوگر ہو۔ ورنہ تمہارے پاس کوئی ایسا عمل ضرور ہے جو اس قسم کی روحوں کو بھی قابو میں لاسکتا ہے۔ کم سے کم میری سمجھ میں یہ راز نہیں آتا کہ تم نے کیا کیا ہے۔“

چچی نے بھی بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ ”واقعی تعجب ہی ہوتا ہے کہ بھائی صاحب پر تم نے کیا جادو کر دیا ہے۔“

نزدہت نے کہا۔ ”کچھ بھی کیا ہو مگر مولانا ہمارے ہاتھ سے تو گئے۔ کئی کئی دن ہو جاتے ہیں بھو سے تو بات تک نہیں ہوتی۔ مگر رات ان کے کمرے کا

(۱۲)

سارا گھر حیران تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے اور میں نے آخری منشی جی پر کیا جادو کر دیا ہے کہ وہ تو بس میرا ہی کلمہ پڑھتے ہیں دن رات اور مجھ سے کچھ ایسے متاثر ہوئے ہیں کہ ان کو مدت العمر سے جاننے والے خود جج صاحب کا بیان یہ ہے کہ ان حضرت کی ایسی وارفتگی کسی کے ساتھ کبھی نہیں دیکھی گئی۔ کہاں جج صاحب کو اندیشہ یہ تھا کہ ان حضرت کا کوئی سخت جملہ یا کوئی ترش رویہ میری خاطر نازک پرگراں نہ گزرے۔ کہاں وہ یہ نقشہ دیکھ رہے تھے کہ منشی جی کو بغیر میرے غرار ہی نہ تھا۔ جب دیکھتے وہ گھسے ہوئے ہیں میرے پاس اور پتھن رہی ہے گاڑھی۔ کاش ان کو معلوم ہوتا کہ میں ان کے گھر کو منشی جی کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لئے اور ان کی بے پرواہی سے بک سے ان کے دماغ کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے کو بکھر بھینٹ چڑھا رہا ہوں۔

حلیہ ملا حفظ فرمائیے۔ معلوم ہوتا ہے تھوڑا کلاس کا کوئی ایسا ذہب ہے جس میں مسافر اپنا سامان چھوڑ کر خود اتر گئے ہوں کسی اسٹیشن پر۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”یہی تو مجھے بھی حیرت ہے کہ ان کی اس خصوصی توجہ کے باوجود نہ تو تمہاری صحت پر کوئی ناگوار اثر پڑا ہے نہ مزاج میں کوئی خاص چڑچڑاہٹ ہے۔ نہ اپنی زندگی سے بیزار نظر آتے ہو۔ نہ کوئی حرف شکایت ہے زبان پر۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟“

میں نے سب کی سننے کے بعد نہایت اطمینان سے کہا ”مگر ایمان سے کہنے کا مجاہدے کی یہ مثال پہلے بھی کبھی آپ میں سے کسی نے دیکھی ہے۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔“

میں نے کہا۔ ”ایثار اور قربانی کا یہ عملی مظاہرہ پہلے بھی آپ نے کرنا تجربے سے گزرا ہے؟“

نچ صاحب نے کہا۔ ”تو گویا آپ یہ ایثار فرما رہے ہیں۔ یہ قربانی پیش کر رہے ہیں آپ۔“

میں نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ”کہوں صاحب یہ قربانی نہیں تو گویا مجھے یہ ارمان تھا کہ کاش کوئی آکر میرے کمرے کو اپنے پان کی

بے شمار پکڑاریوں سے زینت بخشتا۔ کاش کسی کا سر اہوا حقہ میرے کمرے کے قالین پر میرے صوفوں پر بلکہ کبھی کبھی میرے لکھنے کی میز پر التا۔ کاش کوئی اپنی بے ہودہ بگواس سے رات دن میرا دماغ دھنکتا اور سر میں گودڑ ٹھونس

ٹھونس کر بھرتا رہتا۔ صاحب آپ کو تو میرا شکر یہ ادا کرنا چاہئے کہ جو مصیبت آپ سب پر نازل ہوئی تھی۔ اسے میں نے اپنے سر لے کر آپ سب کو اس سے بچا دیا ہے اور خود نہایت صبر و سکون کی اس مسلسل موت میں مبتلا ہوں۔“

نچ صاحب نے واقعی شکر گزاری کے ساتھ کہا۔ ”بھئی زندہ باش! واقعی تم نے ہمارے لئے وہ ایثار کیا ہے جو اس زمانے میں کوئی کسی کے ساتھ نہیں کر سکتا۔“

چچی نے ترس کھا کر کہا۔ بائے بائے بے چارہ ہمارے لئے کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ دن بھر غریب کالج میں سر کھپائے اور وہاں سے آئے تو ان کو بھیجہ کھلائے۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”خیر یہ تو مان لیا کہ یہ آپ کا ایسا ایثار ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے صبر ہے۔ آپ کا یہ کارنامہ سونے کے حروف

میں مورخ لکھے گا۔ بشرطیکہ ہمارے گھر کی تاریخ کبھی لکھی گئی مگر سوال تو یہ ہے کہ آپ نے خالو جان کو گرویدہ کیسے کیا ہے؟“

میں نے کہا۔ ”صاحب! عاف بات یہ ہے کہ یہ عمل تسخیر کسی کو بتایا نہیں جاسکتا۔ ورنہ اس کی تاثیر اٹھ جائے گی۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”خیر۔ خیر۔ واقعی بتاؤ تو سہی کہ ان حضرات کو تمہاری کوئی ایسی ادا بھاگئی ہے کہ وہ تو بس تمہارے ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں تمہارا

یہ احسان زندگی بھر بھول نہیں سکتا۔ مگر یہ تو چلے کہ اس میں راز کیا ہے آ؟“

میں نے کہا۔ ”صاحب! اس کا راز صرف یہ ہے کہ میں اس کی ہاں میں ہاں ملا تا رہتا ہوں اور غالباً آج تک ان کو ایسا کوئی آدمی نہیں ملا ہے جو اس شدت سے ان کا ہم خیال ہو۔ جیسا وہ مجھ کو سمجھتے ہیں کہ جو رائے ان کی ہوتی ہے بالکل وہی رائے میری ہوتی ہے۔ مثلاً کل ہی وہ فرما رہے تھے کہ انگریزی پڑھنے سے ایمان میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے ان کی پوری تائید کی کہ آپ نے بالکل درست فرمایا۔ خود مجھ پر یہ کیفیت گزر چکی ہے۔ مگر مجھ کو جیسے ہی محسوس ہوا کہ میرے ایمان میں انگریزی پڑھنے سے خلل پیدا ہو رہا ہے۔ میں نے ترکیب یہ نکالی کہ عربی میں انگریزی پڑھنے لگا۔“

جج صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ ”عربی میں انگریزی؟ کیا مطلب ہوا اس کا؟“

میں نے کہا۔ ”اس کا مطلب آپ نہیں سمجھ سکتے مگر وہ سمجھ گئے تھے اور بہت خوش ہوئے تھے کہ اسی کا تو نتیجہ ہے کہ تمہارا ایمان سلامت ہے اور تم گمراہ نہیں ہوئے۔ نہ پڑھتے عربی میں انگریزی تو تم بھی کفار میں سے ہوتے۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو گویا جناب ہی ایک ایسے ملے ہیں جو بے بودہ گوئی میں ان کے بھی استاد واقع ہوئے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”کاش کبھی آپ سن سکتے کہ میرے اور ان کے درمیان کتنے مسائل پر کیا کیا باتیں ہوتی ہیں اور کیسے کیسے عقیدے حل ہوتے ہیں صاحب! سیاسی مباحثہ ان سے رہتے ہیں۔ مذہبی امور پر ان سے تباہ و خراب

ہوتا ہے۔ معاشرتی، تاریخی۔ اقتصادی، معاشی مختصر یہ کہ ہر میدان میں وہ مجھ کو آزما چکے ہیں کہ میں سولہ آنے ان کا ہم خیال ہوں۔“

نرہت نے کہا۔ ”مولانا! کس دل گردے کے آدمی ہیں آپ۔ واقعی یہ آپ کا کمال ہے۔“

چچی نے کہا۔ ”پھر کیا کرے بے چارہ؟ وہ ہم سب کی مصیبت اکیلی اپنی جان پر جھیل رہا ہے۔“

جج صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”میرے خیال میں کسی غیر احمق کا احمقانہ گفتگو کرنا اور اس مہارت سے کرنا کہ ایک مسلم الثبوت احمق بھی اس کا قائل ہو جائے میرے نزدیک بڑی ذہانت کا کام ہے۔ کم سے کم مجھ سے ناممکن ہے کہ میں کسی سے اس قسم کی باتیں کروں اور پھر مار نہ کھاؤں۔ میں اگر کسی سے اس قسم کی باتیں کرنے کا ارادہ بھی کروں تو بخدا مجھ کو ہنستی آجائے۔ تو کیا تم ہنستے بھی نہیں مولانا؟“

میں نے کہا۔ ”کمال کیا آپ نے سولی پر جس کی جان ہو۔ وہ بھلا ہنس سکتا ہے۔ ہاں ان کے جانے کے بعد یکیشٹ ہنس لیا کرتا ہوں۔“

آپ کل ہی وہ فرما رہے تھے کہ پاکستان اور ہندوستان کا سارا بھگڑا اردو اور ہندی کا ہے۔ میں کہتا ہوں لعنت کیجو اردو پر اور ان سے کہو کہ چھوڑیں وہ بھی ہندی۔ کس دونوں کی ایک زبان بن جائے عربی۔“

جج صاحب نے منہ سے یہ نہی بھوت پڑا اور چچی ٹپکی کے مارے

اپنے بھاری بھر کم جسم میں کئی زلزلے لے پیدا کر کے رہ گئیں۔ نہ بہت تو لوٹ گئی
ہنسی کے مارے میں نے اس طوفان کو بمشکل قابو میں لا کر کہا۔ ”صاحب!
آپ ہنس رہے ہیں مگر میں نے بڑی سنجیدگی سے اس کی تائید کی تھی کہ بالکل
درست فرماتے ہیں آپ بلکہ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہو گا کہ ہندو ہمارے مذہب
سے آہستہ آہستہ قریب ہو جائیں گے تو آنکھ مار کر بولے کہ یہی تو میں بھی چاہتا
ہوں اور یہ مولیٰ سی بات ہمارے لیڈروں کی سمجھ میں نہیں آتی۔“

(۱۳)

ایک طرف تو فشی جی کی یہ مصیبت نازل تھی۔ دوسری طرف میاں
شفقت کی سیاست کارفرما تھی۔ وہ حضرت اپنی کارگزاریوں میں اس طرح
مصروف تھے کہ گویا

داغ اپنی جمائے جاتا ہے!

نہ جانے وہ کب سے میری تاک میں تھے۔ آخر ایک دن دیکھتا کیا
ہوں کہ کالج میں چلے آ رہے ہیں آپ ٹہلتے ہوئے۔ شکر ہے کہ میں اس وقت
کوئی کلاس نہیں لے رہا تھا۔ بلکہ اسٹاف روم میں بیٹھا ایک کتاب کے مطالعے
میں مصروف تھا۔ ان حضرات کو دیکھ کر میں گھبرا سا گیا کہ یہ یہاں کیسے؟ مگر خود
انہوں نے آتے ہی کہا۔ ”آپ سے اب گھر پر تو ملا ہی نہیں جاسکتا۔ فشی جی ہی
آپ کو کب چھوڑتے ہیں کہ کوئی اور آپ سے نیاز حاصل کر سکے۔ دوسرے

بچ صاحب نے رد مال سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”گنڈ
لاؤ! بھی یہ انتہا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا کمرہ واقعی آج کل پاگل
خانہ بنا ہوا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”صاحب! اب تو مجھے خود اپنے متعلق شبہ ہونے لگا ہے
کہ میں خود تو نہیں، بہک رہا ہوں غیر محسوس طور پر۔“
یعنی اسی وقت فشی جی کی آواز فضا میں گونجی۔ ”ارے بھی کہاں گئے
سب؟ اور ہم سب دم بخود ہو کر پہلے تو کھوسے گئے۔ پھر ایک ایک کر کے منتشر
ہونا شروع ہوئے۔“

مجھے ذرا پرائیوٹ قسم کی چند باتیں کرنا تھیں تو میں نے کہا۔ کہ کالج میں چلوں۔
آپ کو فرصت تو ہے تھوڑی سی؟“

میں نے کہا۔ ”ہاں ہاں! فرمائیے۔ اس وقت میرا کوئی کلاس نہیں ہے۔ پہلے یہ بتائیے کہ کیا پیسے گے آپ؟ چائے یا کافی؟“

ان حضرت نے اپنی نائی کا زاویہ درست کرتے ہوئے سگریٹ نکال کر سگریٹ کیس پر ٹھونکتے ہوئے کہا۔ ”تو تھینکس۔ اس وقت کچھ نہیں۔ سب سے بڑی خاطر یہی ہے کہ آپ میری باتیں غور سے سن لیں اور مجھ کو مشورہ دیں۔“

میں نے کہا۔ ”ہاں ہاں! بس روچشم۔ آپ فرمائیے نا۔“

وہ اپنی نشست کے کئی پہلو جلدی جلدی بدل کر اور پھر سگریٹ کا ایک لمبا کش لے کر بولے۔ ”مولانا۔ بات یہ ہے میرے اور آپ کے درمیان کچھ مس انڈر اسٹینڈنگ ہے۔“

میں نے کہا۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کم سے کم مجھے تو کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔“

وہ کہنے لگے۔ ”پہلے میری پوری بات سن لیجئے۔ آپ کو کوئی جلدی تو نہیں؟“

میں نے ارادہ کیا کہ از روئے حلف ان کو یقین دلاؤں کہ مجھے فرصت ہے۔ مگر کہا صرف یہ کہ ”عرض تو کیا کہ مجھے اس وقت کوئی خاص کام نہیں ہے۔ آپ نہایت اطمینان سے بات کریں۔“

اب انہوں نے سگریٹ کا پھر ایک لمبا کش لیا اور پھر بولے۔ ”مس انڈر اسٹینڈنگ۔ یعنی غلط فہمی آپ کو اگر نہیں ہے تو تعجب ہے۔ بہر حال ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ حالات ہی کچھ اس قسم کے ہیں۔ بات یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اس گھر میں میری جو حیثیت تھی اس سے آپ واقف نہیں ہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہوگا کہ میں ہی تھا۔ اس گھر میں چچا میاں کی آنکھ کا تارا چچی کا راج دلار اور نزہت کو بھی سب سے پیارا صرف میں تھا۔ مگر میری صاف گوئی معاف کیجئے گا کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد رفتہ رفتہ سب مجھ سے بیگانہ ہونے لگے۔ اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں سب کی آنکھوں میں ایک کھٹکتا ہوا کانٹا بن کر رہ گیا ہوں۔ چچا میاں مجھ سے برگشتہ چچی مجھ سے بیزار اور حد یہ ہے کہ نزہت بھی مجھ سے کنارہ کش نظر آتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس میں آپ کی کسی خاص کوشش کو کسی قسم کا دخل نہیں ہے مگر کسی وجہ سے بھی ہو۔ صورت حال یہی ہے اور یہ صورت حال میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہئے۔“

میں نے نہایت صبر و سکون سے کہا۔ ”برادر! ان حالات میں تو مجھے آپ سے یہ پوچھنا چاہئے کہ میں آخر کیا کروں؟ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے تلحیدہ رہنا چاہا اور پوری کوشش کی کہ مجھ کو اس گھر سے جانے کی اجازت مل جائے۔ پہلے مکان کا سوال تھا کہ کیسے ملے گا۔ پھر یہ صورت بھی پیدا ہو گئی کہ میں اپنے کالج کے ہوسٹل کا سپرنٹنڈنٹ مقرر ہو رہا تھا۔ اس کو بھی جج

صاحب نے اور چچی نے منظور نہ کیا۔ میں آج بھی اس مکان سے جانے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ آپ مجھ کو اجازت دلوادیں۔“

شفقت نے ذرا تلخی سے کہا۔ ”دیکھئے مولانا! میں آپ کا ایسا عقل مند اور دور اندیش ٹھنڈا اور سلجھا ہوا آدمی نہ سمجھتا ہوں کہ آپ مجھ کو اتنا بے وقوف بھی نہ سمجھیں کہ میں آپ کی ان نرم باتوں میں آکر آپ کو اس سلسلے میں ذمہ دار سمجھنا چھوڑ دوں گا۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ آپ میرے حریف ہیں اور یہ بھی طے ہے کہ اس گھر میں اب یا آپ رہیں گے یا میں رہوں گا۔“

میں نے کہا۔ ”شفقت صاحب! اگر آپ ان تیروں سے بات کریں گے تو میں یہ جواب دوں گا کہ میرا ارادہ خود رہنے کا ہے اگر آپ سے یہ برداشت نہیں ہوتا تو آپ کو اپنا اختیار ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کا کسی اعتبار سے حریف نہیں اور نہ آپ کا حریف بننا میں اپنی شان کے شایاں سمجھتا ہوں۔“

شفقت نے تیزی سے کہا۔ ”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ مجھ کو کھلا ہوا چیلنج دے رہے ہیں۔“

میں نے نرمی سے کہا۔ ”چیلنج کا کیا سوال؟ چیلنج آدمی اپنے مد مقابل کو دیتا ہے اور میں آپ کی اسی حیثیت کو سمجھتا ہوں اور قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں۔“ شفقت نے اٹھنے کے لئے پرتو لتے ہوئے کہا۔ ”اچھا تو دیکھا جائے گا مگر یہ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں جس عالم سے گزر رہا ہوں۔ اس

میں انسان کو اپنی زندگی کی بھی پروا نہیں ہوتی اور جو اپنی زندگی کی پروا نہ کرے وہ کسی اور کی زندگی کی بھی پروا نہیں کر سکتا۔“

میں نے کہا۔ ”شفقت صاحب! اگر آپ اس قسم کی دھمکیوں سے کام لینا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ میں اس کو صرف آپ کا بچپن سمجھتا ہوں۔“

شفقت نے نہایت غنڈوں کے انداز سے کہا۔ ”تو یہ بھی کان کھول کر سن لیجئے کہ نزہت کو آپ آسانی سے مجھ سے نہ چھین سکیں گے۔“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”لاحول والاقوة۔ نزہت کا یہاں کیا سوال ہے اور یہ جناب کو کیسے اندازہ ہوا کہ میں نزہت کا امیدوار ہوں؟“

شفقت نے کہا۔ ”آپ امیدوار نہ سہی مگر میرے ابن الوقت بیٹا اور میری چاہ پرست چچی کا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”تو آپ یہ معاملہ براہ راست اپنے ان بزرگوں سے طے کیجئے جن کو سعادت مندی کے جوش میں آپ ابن الوقت اور چاہ پرست کہہ رہے ہیں۔ مجھ سے کیا مطلب؟“

شفقت نے کہا۔ ”اگر آپ واقعی غیر متعلق ہیں اور آپ کی واقعی خواہش نہیں ہے تو آپ ان کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہنے دیں اور ان سے صاف صاف کہہ دیں کہ آپ نزہت سے شادی کرنا نہیں چاہتے۔“

میں نے شفقت کو واقعی قابل رحم بے وقوف سمجھ کر کہا۔ ”عقل سے کام

لو۔ برادر! میں بلاوجہ کیوں وہ بات چھیڑوں جواب تک مجھ سے چھیڑی نہ گئی ہو۔ مجھے انکار کا کیا حق ہے جبکہ ایک سرے سے کوئی پیشکش ہی نہیں ہے۔“

شفقت نے کہا۔ ”اچھا تو آپ کم سے کم یہ ظاہر کریں کہ آپ کی جذباتی وابستگی کسی اور لڑکی سے ہے۔“

میں نے کہا۔ ”یک نہ شد دوشد۔ اب میں آپ کی خاطر وہ لڑکی کہاں سے لاؤں؟“

شفقت نے عاجز آ کر کہا۔ ”پھر سوال یہ ہے کہ وہ آپ سے کس طرح مایوس ہو کر میری طرف پلٹیں گے؟“

میں نے کہا۔ ”بھئی عجیب باتیں کر رہے ہیں آپ بھی۔ دھوبی سے بس نہیں چٹا گدھے کے کان اٹھنے کو موجود ہیں۔ بہر حال میں ایک مرتبہ پھر کوشش کر کے دیکھ لیتا ہوں کہ مجھ کو اس گھر سے جانے کی اجازت مل جائے مگر واضح رہے کہ آپ سے مرعوب ہو کر یا آپ کی طفلانہ دھمکیوں میں آ کر نہیں بلکہ محض اس لئے کہ میں اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا۔“

شفقت نے کہا۔ ”آپ پھر کہیں گے کہ میں دھمکی دے رہا ہوں مگر یہ واقعہ ہے اگر آپ نے میری یہ باتیں وہاں جا کر دھرائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ مجھ کو مقابلے کے لئے لگا کر رہے ہیں۔“

اب میں نے بھی ضبط سے کام لیتا بزدلی سمجھ کر کہا۔ ”تم آخر اپنے کو سمجھتے کیا ہو؟ تم کیا اور تمہاری دھمکی کیا۔ میں اب تم ایسوں کو بھی خاطر میں

لانے لگا تو لغت ہے مجھ پر۔ جاؤ تم سے جو کچھ ہو سکے وہ کر لینا۔ میں یہ تمام باتیں بچا جان سے بھی کیوں گا اور چچی سے بھی اور دیکھوں گا کہ تم کیا کر لیتے ہو؟“

شفقت نے مشتعل ہو کر کہا۔ ”مولانا اس کا نتیجہ نہایت ہولناک ہوگا۔“

میں نے کہا۔ ”میرے لئے نہیں۔ تمہارے لئے۔ اب تم جاسکتے ہو۔ دور یاد روارو۔“

شفقت غصے سے بھرا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ مگر میرا موڈ خراب کر گیا۔ میں نے لاکھ چاہا کہ اس کی احمقانہ باتوں پر غصہ نہ آئے مجھے مگر اس قسم کے لوگ بڑے صبر آزما ہوتے ہیں۔ آخر میں قابو سے باہر ہو ہی گیا۔

طرح شروع کی جائے؟ کوئی نہ کوئی معقول بہانہ تو بہر حال ہونا چاہئے۔
بہر طور چونکہ اس وعدہ کا مطلب یہ نہ تھا کہ میں آج ہی کوشش کروں گا۔ لہذا
میں نے فی الحال اس تمام قصے کو بھولنے کی کوشش کی۔ اور اگر کوشش نہ بھی کرتا
تو بھی اس وجہ سے بھول جانا پڑتا کہ فشی جی کی ذرات سے یہ امید نہ تھی کہ وہ
اس کا موقع حاصل کرنے دیتے۔ چنانچہ وہ مجھ کو ڈھونڈتے ہوئے اپنا حقہ
لئے میرے کمرے میں آگئے اور اپنی مقررہ کرسی پر بیٹھ کر اور دوسری کرسی پر
حقہ رکھ کر بولے:

(۱۴)

باوجود انتہائی اشتعال کے میں نے گھر پہنچ کر نہایت سکون اور
اطمینان کے ساتھ پہلے اپنا جائزہ لیا کہ میرے اس اشتعال کو کیا حیثیت
حاصل ہے یعنی میں ایک فائر ایگول بیوقوف کی باتوں سے مشتعل ہوا ہوں۔
یہ اشتعال میرے شایان شان ہے یا نہیں اور مجھ کو شفقت کی یہ باتیں جج
صاحب یا مزہب تک پہنچانا چاہئیں یا نہیں اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ
شکایت کرنا بجائے خود کمزوری ہے۔ شکایت تو وہ کرتا ہے جو خود کچھ نہ کر سکے
اور شفقت کے مقابلے میں اپنے کو ایسا بے چارہ محسوس کرنا مجھے اپنی شان سے
گرمی ہوئی بات محسوس ہوئی۔ لہذا میں نے یہ بات تو کسی سے نہ کہی۔ البتہ مجھ
کو اپنا یہ وعدہ بھی یاد تھا کہ میں شفقت سے کہہ چکا ہوں کہ ایک مرتبہ پھر اس
گھر کو چھوڑنے کی کوشش کر دوں گے گا۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ یہ کوشش کس

”آج میں تمہارا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا مولانا صاحب آج
تو انتظار ہو گئی۔ وہ منظر دیکھا ہے کہ قرب قیامت کا دل سے قائل ہو گیا۔ واقعی
اب قیامت ہمارے آس پاس ہی ہے۔ دعا کرو کہ خدا عاقبت بخیر کرے۔“
میں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ ”آمین۔۔۔ مگر بات کیا ہوئی؟“
”سمجھنے لگے۔“ صاحب! ہماری عزیزہ اور آپ کی بھی عزیزہ نریا کو میں
نے دیکھا کہ ان کے کمرے میں ایک جگمگ موجود ہے جو کچھ کچھ ان کے بال
تراش رہا ہے اور طرح طرح کے پرزے ان کے بالوں میں لگے ہوئے
ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اس لوندیا کا سر نہیں ہے بلکہ کسی انجینئر کی مشینوں کا
کمرہ ہے۔ لہذا پہلے تو میں سمجھا کہ خدا انہیں استراحت بخشنے والا ہے۔ صاحب! ادنیٰ
کا کچھ جھک ست رہ گیا کہ یہ ہوا آئینہ آخر۔ بعد میں پتہ چلا کہ انہیں بجا ممت
ہو رہی ہے۔ یہاں غصہ خدا کا ان کی ذلت اور حماقت ہے۔“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”جی ہاں! آپ کے لئے واقعی یہ تعجب خیر منظر ہوگا۔ مگر مجھے اس لئے حیرت نہیں ہوتی کہ میں تو جانتا ہوں کہ ہر مینے یہ ہیئر ڈریس آتا ہے اور نہ ہت کے بال تراشے جاتے ہیں اور ان میں گھونگر پیدا کیا جاتا ہے۔“

منشی جی نے واقعی میرے کمرے میں تھوکتے ہوئے کہا۔ ”تف ہے میاں اس فیشن پر۔ بخدا میں نے تو کبھی اس عمر کی لڑکیوں کے بال کٹے نہیں دیکھے۔ جی تو چاہا کہ لے کر ڈنڈا اس جام کا بھی سر توڑ دوں اور تمہارے ان چچا جان کی بھی خبر لوں جو لونڈیا کا اس طرح ناس مار رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس شخص کا دماغ کیا واقعی ٹل گیا ہے۔ اگر عہدے اور تعلیم کا دماغ پر یہ اثر پڑتا ہے تو بابا ہم لنڈورے ہی بھلے۔ آج تو میرا ارادہ ہے کہ میں انجاز کو لے کر میاں سے چلائی جاؤں تو اچھا ہے۔ مجھ سے یہ حالات نہیں دیکھے جاتے۔ نہ جانے اس وقت میں آپ سے باہر ہو جاؤں۔ میں تو ان لوگوں سے اب کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔“

میں نے کہا۔ ”معاف کیجئے گا۔ آپ کو کوئی مشورہ دینا عثمان کو حکمت پڑھانا ہے۔ مگر میرے نزدیک آپ کا اس طرح قطع تعلق کر لینا بجائے مفید ہونے کے اور بھی مضر ہوگا۔ اس خاندان میں صرف ایک آپ ہی تو ہیں جو چچا جان کو بھی ڈانٹ ڈپٹ سکتے ہیں آپ کو چاہئے کہ اس غلط راہ پر آنکھیں بند کر کے چلنے سے ان کو باز رکھنے کی کوشش کریں۔“

منشی جی نے جوش میں آ کر نہ جانے کیا کہنے کی کوشش میں اپنا حقہ کرسی سے گرا لیا۔ پانی قالین نے ایک مرتبہ پھر پی لیا رکھ اس کیلے قالین پر کچھ چپک گئی اور کچھ اڑ کر مسہری تک پہنچی۔ آگ ہر طرف منتشر ہو گئی جس کو وہ پیر سے رگڑ رگڑ کر درمی کا ناس مارتے رہے۔ اور بار بار ”لا حول ولا قوۃ“ بھی فرماتے رہے۔ میں نے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی بڑی فراخ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

”خیریت ہوئی کہ چلم نہیں ٹوٹی۔ میں اور بھروسے دیتا ہوں چلم۔“

منشی جی نے کہا۔ ”نہیں اب تھوڑی دیر کے بعد بھروسے آؤں گا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میاں لعنت ہے میری زندگی پر یہاں تو عزت آبرو تک خطرے میں نظر آتی ہے۔ میں تو انجاز میاں کو یہاں بھیج کر پچھتا تا ہوں کہ ناس ہو کر رہ گیا اس کا ایسی عادتیں خریب ہوئی ہیں صاحبزادے کی کہ گھر لے جا کر برسوں کوشش کروں گا تو کہیں جا کر اپنی اصلیت پر واپس آئیں گے انتہا یہ ہے کہ برش سے دانت صاف کرنے لگا ہے۔ میں نے کہا کہ ابے کیوں دماغ خراب ہوا ہے تیرا۔ یہ برش ویش کہاں لئے پھرتا ہے۔ دانتوں کے لئے حقے کے تمباکو کے گل سے زیادہ مفید اور کوئی چیز نہیں۔ سوزھوں کا سارا زہر یہ نکال دے۔ دانتوں کی جڑوں کو یہ مضبوط کرے اور موتی کی طرح چمکاوے دانتوں کو یا پھر اپنا وہی نیم کا مسواک۔ سبحان اللہ کیا بات ہے اس کی۔ کوئی پوچھے کہ بی مینڈ کی تم جو گھوڑوں کے دیکھا دیکھی یہ فعل جڑوانے بیٹھی ہو تو تمہارا کیا حشر

ہوگا؟ میں نے تو کہا کہ برخوردار اپنے حواسوں میں رہو۔ یہ برش سے دانت
مانجھنا اور یہ ہر روز جوئے کو پالش سے چکانا میرے یہاں نہ چلے گا۔“

میں نے کہا۔ ”نہیں صاحب! آپ کو تو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ
انجائز میاں یہاں رہ کر بھی وہ بننے نہ پائے جو ایک دوسرا نمونہ نظر آتے ہیں
شفقت صاحب!“

منشی جی نے کہا۔ کس کی بات کی ہے تم نے وہ لونڈا تو سر پھرا ہے۔
انگریزی گھاس چر گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ خاص کسی ڈیوک آف کنٹ کے
خاندان سے چلے آ رہے ہیں۔ وہ حالت ہوتی ہے ان صاحبزادے کی۔
جب یہ میٹر ہامنہ کر کے اور چرٹ کا دھواں بزرگوں کے منہ پر مار کر بازو
کرتے ہیں۔ آج تو ان حضرت کی بڑی تلاش ہو رہی ہے سنا ہے کہ نہ دوپہر
کو کھانے پر تھے نہ سہ پہر کے ناشتہ پر اور نہ اب تک کہیں پتہ ہے ہوگا کہیں
آوارہ گردی میں مصروف۔“

میں نے کہا۔ ”اچھا مجھے خبر نہ تھی کہ یہ حضرت لاپتہ ہیں۔ واقعی دوپہر
کو جب میں کالج سے واپس آیا ہوں۔ ان کا کمرہ بند تھا۔ باہر سے لنگ پر بھی
ان کی کرسی خالی تھی اور چائے کے وقت بھی بیچا جان پوچھو تو رہے تھے ان کو۔“

منشی جی نے کہا۔ ”اماں! یہ کہنے کیسے دوسرا پاس مارا مگر تمہارے بیچا
جان کیسے کا ہے۔ انہیں تو تو تلاش نہ کرتا کیونکہ میں سمجھا کہ وہ ساتھ اور میرا
تولی یہ سب کہہ کر بچوں کو کھانے سے روک دیتا ہے۔ کیونکہ شہر کی وہ انجائز سحران

ہونے کو آیا مگر مجال نہیں ہے اس کی کہ میرے سامنے پتنگ تک اڑائے۔ ایک
مرتبہ سگریٹ پیٹے میں نے دیکھ لیا تھا گردن پکڑ کر وہ ہاتھ جھاڑے ہیں کہ دن
کو تارے نظر آنے لگے۔“

میں نے کہا۔ سبحان اللہ کیا بات ہے اسی تربیت کا تو نتیجہ ہے کہ کسی
بری راہ پر نہیں لگے آں عزیز۔“

ہم دونوں یہ باتیں کر رہے تھے کہ جج صاحب تشریف لے آئے اور
آتے ہی مجھ سے کہا۔ بھی شفقت کا صبح سے پتہ نہیں۔ آخری اطلاع یہ ملی ہے
کہ صبح کچھ دوستوں کے ساتھ دریا پر گئے تھے مچھلی کے شکار کو۔“

اب میں کیا کہتا کہ وہ مچھلی میں ہی تھا اور وہ میرے پاس تشریف لے
گئے تھے۔ اور غالباً اب تک اس لئے گھر واپس نہیں آئے ہیں کہ ان کو اندیشہ
ہوگا کہ میں نے آکر ایک ایک بات لگا دی ہوگی اور اب ان کی خبر لی جائے
گی۔ بہر حال میں نے جج صاحب سے کہا۔ کوئی ایسے ترڈ کی بات تو ہے
نہیں۔ وہ کوئی بچہ تو ہیں نہیں کہ کہیں گم ہو گئے ہوں گے۔“

جج صاحب نے بڑی معنی خیز بات کہی۔ ”بچپن نہیں بلکہ گم ہونے کا
زمانہ جوانی ہے اور میں یہی ڈر رہا ہوں کہ یہ صاحبزادے کسی بری صحبت میں
پھنس کر ہاتھ سے رہ رہا تھو نہ ہو جائیں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”میرے دوستوں کی طرح۔۔۔ شہر کے وہ بچے جو یہاں رہا کرتے ہیں۔
صحبت کرتے ہیں انہیں۔“

یہ الفاظ اتنی آہستگی سے کہے گئے تھے کہ نج صاحب کو پوچھنا پڑا۔ کیا فرمایا آپ نے بھائی صاحب۔“

میں نے رفع شر کے لئے کہا۔“ فرماتے ہیں کہ بری صحبت اور برے وقت سے خدا بچائے تو کیا چچا جان آپ کا خیال ہے کہ دریا کی طرف گئے تھے۔ لہذا کوئی تشویش ناک بات ہے۔

نج صاحب نے فرمایا۔ صاحب! مجھے ان کے دریا میں ڈوبنے کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ ان میں صلاحیت ہے ساحل پر بھی ڈوب جانے کی۔ بہر حال جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔ ہم آخر کہاں تک ان کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ دن کا کھانا ان کے انتظار میں تمہارے آنے کے بعد کھایا گیا۔ سہ پہر کی چائے ایک گھنٹہ لیٹ کی گئی اور اس وقت بھی اب تک تو انتظار کیا۔ آخر کہاں تک دیر کی جائے۔ آئیے آپ لوگ کھانا لگوا دیا ہے۔“

نج صاحب کے ساتھ ٹٹی جی اور میں سب ہی کمرے کے باہر آ گئے۔

(۱۵)

دوسرے دن کلکتہ پہنچے ہی محمد کو ایک بدلتی علاقہ ملا جو چیراچی تھے مجھے دیتے ہوئے کہا کہ ایک صاحب آئے تھے اور وہ آپ کو یہ خط لکھ گئے ہیں۔ میں نے اتفاق کھلو کر دیکھا یہ خط تھکا ہوا تھا۔

”مکرمی! آپ کو سخت مایوسی ہوئی ہوگی کہ آپ نے کلکتہ سے چلا تے ہی ایک ایک کی دس دس میرے علاقہ لگائی ہیں گی اور بچے میلاں کو صرے علاقہ خوب خوب بھرا ہوگا۔“ مگر میں نے گھر آ کر اس کا موقع ہی تسلیم کیا کہ آپ کے ظلم میں آئے ہوئے یہ بزدل آپ کی تو توشیحی حاصل کرتے تھے لیسے محری تہ نعلی کر رہی۔ میں آپ سے دور کر لیا اس خیال سے کہ آپ بھڑکانے میں آکر گھر والے صریقی تحقیر کر رہے گئے گھر سے صاحب نہیں بھاگتے بلکہ یہ میرا عہد ہے کہ میں اب اس گھر میں قدم نہ رکھوں گا تو غارت خانہ طہر پر ہوت

نہیں اور میری فتح یہ ہوگی کہ تم مجھ کو وہاں نظر نہ آؤ۔

میں پھر ایک مرتبہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تم کو وہ کھر بہر حال چھوڑنا پڑے گا شرافت اور دانشمندی سے کام لے کر اگر خود نہ چلے گئے تو پیادے سے دست بدستے دو گئے تم کو وہاں سے نکلویا جائے گا اور یہ وہم ہے جس کو سر کرنے کے لئے میں جان کی بازی بھی لگا دوں گا۔ ایسی جان کی بازی جس میں خود تمہاری زندگی بھی محفوظ نہ ہوگی۔

مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس گھر میں میرے دو حریف ہیں۔ ایک تم، دوسرا اعجاز، مگر اعجاز کی دال میرے مقابلے میں مشکل سے گل سکتی ہے۔ البتہ تم سے مجھ کو بجا طور پر خطرہ ہے کہ تم میرا حق لے لو گے۔ مگر ایک مرتبہ پھر کان کھول کر سن لو کہ اس منزل پر پہنچنے کے لئے تم کو اپنے خون میں تیرنا اور میری لاش پر سے گزرنا ہو گا۔

سید محمد

میں نے یہ احمقانہ خط پڑھ کر اس وقت تو رکھ لیا مگر کالج سے واپسی کے وقت پھر مجھ کو غور کرنا پڑا کہ میں یہ تمام حالات حج صاحب کو بتاؤں یا اب بھی چپ رہوں وہ ان حضرات کی تلاش میں کونو میں جھکا رہے تھے۔ شہر کا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے ان کی تلاش میں حصہ لیا ہو۔

کیا کام کرتا پڑھتا اور یہ تم کو کیسے معلوم ہوا اگر وہ شہر سے بھی ہیں اور وائیس بھی آسکتے ہیں۔ کیا تجھ کو ان کا کیا ہے؟

میں نے کہا۔ ”سب کچھ عرض کئے ہیں جوں بشرطیکہ آپ ان کی وائیس کی شرط منظور فرمائیے گا ورنہ کر لیں۔“

مجھے صاحب نے یہ جہاد دیدہ آدھی ہیں اور صلاح بھی قانونی پھیلا ہے کہتے تھے۔ ”دیکھئے مولانا! میں ان کی گفتگو کی وجہ سے صرف اس لئے پریشان ہوں گا ان کے گم ہونے کا کہ وہ نہ تو شہر الاہل اقل کہ مرحوم بھائی کی ایک ہی بھائی تھی۔ اسے بھی کھو بیٹھے ہیں میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ موجود بھی ہیں یا نہیں۔ البتہ گھر وائیس آتے کی شرط اگر وہ میرے لئے قابل قبول ہوئی تو ان اہل گھر سے یہ جانتا ہوں کہ ان کا کام میں کسی عیب نہیں آکر کہیں نہ وہ شرط منظور کرے گا ورنہ نہیں کر سکتا۔“

مجھے نے کہا۔ ”تم بتاؤ تو یہی وہ شرط کیا ہے جس کو شش گروہ کی یہ منظور کر لیں۔“

مجھے صاحب نے پھر اپنی بیعت پیش کر دی۔ ”جی نہیں۔ میں آدم کا پوتا ضرور ہوں۔ مگر میری ہی ہر بات کو ملتے کا بھی وعدہ نہیں کرتا۔ اگر وہ بات ملتے والی ہوئی تو کسی کی ہی سازش کی ضرورت ہی نہ ہوگی ورنہ میں کسی کے کہتے سننے میں آتے ہوں نہیں۔“

میں نے کہا۔ ”وہ شرط کچھ ایسی سخت اور ناہیا نہیں تھی۔ آپ کو

صرف مجھے اجازت دینا ہوگی کہ میں اس گھر کے بجائے کہیں اور قیام کا انتظام کر لوں۔“

مجھے صاحب نے جوش میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”قطعی طور پر نہیں۔ کو اس ہے یہ مطالبہ۔“

مجھے نے کہا۔ ”تو یہ ہے بات تو پوری سن لیجئے ان سے تو مولانا، آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ اس گھر سے چلے جائیں۔ یہ آپ کا خیال ہے یا مجھے آپ کو معلوم ہوا ہے؟“

میں نے کہا۔ ”یہ میرا قیاس نہیں بلکہ صرف یہی ان کی ایک شرط ہے اور وہ اب اس وقت تک ہرگز اس گھر میں نہ آئیں گے جب تک میں موجود ہوں۔“

نزدہت نے تیزی سے کہا۔ ”تو نہ آئیں وہ؟“

مجھے صاحب نے بھی گنبد کی آواز بن کر کہا۔ ”بے شک نہ آئیں وہ۔“

آپ صاف صاف بتائیے کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیا وہ ملا تھا آپ کو؟

اب میں نے من و عن ان کے کالج جانے کا تمام واقعہ سن کر آج کے

خط کا ذکر کرتے ہوئے جیب سے نکال کر وہ خط بھی پیش کر دیا۔ مجھے صاحب نے

وہ خط خود ہی پڑھنا چاہا۔ تو چچی نے زور دیا کہ نہیں سب کو سناؤ۔ چنانچہ وہ خط مجھے

صاحب نے سب کو سنایا۔ پھر خط ختم ہونے کے بعد غصہ سے کہا۔ ”ایڈیٹ۔“

گدھا، عمر مولانا! آپ نے بھی کہاں کیا کہ کل آپ بالکل ہی چپ رہے۔“

میں نے کہا۔ ”آج بھی چپ رہتا۔ مگر آج مجھے اندیشہ یہ پیدا ہوا کہ

نزہت تنہا کاٹ جاتی ہیں اور یہ شخص ضرورت سے زیادہ بیوقوف ہے۔ کہیں کوئی حماقت نہ کر گزرے۔“

منشی جی نے جوش میں آ کر کہا۔ اس کی ایسی تیزی، ہڈیاں تھیلے میں بھر کر رکھ دوں۔“

میں نے نج صاحب سے کہا۔ ”میں یہ گزارش کروں گا کہ آپ مجھ کو واقعی اجازت دے دیں تو بھی میں علاحدہ ہو کر آپ سے غیر متعلق تو ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ اس گھر میں جو پھوٹ پڑ رہی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”کیا کہتے ہو مولانا۔ اب تو میں تم کو قیامت تک اجازت نہیں دے سکتا۔“

چچی نے کہا۔ ”ایسی گیدڑ بھکیوں میں اگر آ گئے تو کل وہ کہے گا کہ وہ بھی اپنا گھر چھوڑ دیں۔ میں کہتی ہوں اس کا تو جانا ہی اچھا ہوا۔“

منشی جی بولے۔ ”وہ اب اس گھر میں قدم رکھ کر تو دیکھے۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”بھڑا اگر یہ خط میں پولیس کے حوالے کر دوں تو چلک لے لیا جائے صاحبزادے کا۔ اور غالباً مجھ کو اس مشورہ پشت کے لئے کچھ اسی قسم کی تدبیر کرنا پڑے گی۔“

منشی جی نے کہا۔ ”بھلا بتائیے جو شخص مولانا ایسے اللہ میاں کی گائے سے کہے کہ آئیل مجھے مارا وہ بھلا کس سے خوش رہ سکتا ہے۔ مرد دیکھو بھی مولانا بھی یہ ٹھیک کہتے ہیں کہ نیا کا اس حالت میں کاٹ جانا ٹھیک نہیں ہے۔“

نزہت نے کہا۔ ”خالو جان! ایسے بزدلوں کی اتنی مجال نہیں ہوتی۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”یہ نہیں ڈار لنگ۔ کل سے تم کار پر جاؤ گی کالج اور مجھے مولانا کی بھی نگرانی کرنا پڑے گی۔ رہ گیا وہ ناخلف اس مردود تنگ خاندان کا۔ یہاں سے چلے جانا ہی اچھا ہوا۔ بہر حال اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ اس کا چلا جانا واقعی اچھا ہوا۔“

میں نے اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا کہ پھر کسی وقت نج صاحب کو سمجھا کر اجازت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔“

نہیں آئی۔ ذرا اپنی آنکھیں تو دیکھو کس قدر سرخ ہو رہی ہیں۔“
 نزہت نے کہا۔ ”آپ غلط سمجھ رہے ہیں مولانا! مجھے اپنی فکر ہرگز
 نہیں ہے۔ مگر آپ کو ضرور خطرے میں سمجھتی ہوں اور اب آپ کی پوری نگرانی
 کی جائے گی۔ وہ خطی واقعی نہ جانے کیا کر گزرے۔“
 میں نے کہا۔ ”اور میرا ارادہ یہ ہو رہا ہے کہ میں اب اس سے دوستی
 گانٹوں۔“

(۱۶)

نزہت نے بات بھی پوری نہ ہونے دی۔ ”جی ہرگز نہیں۔ خبردار جو
 آپ نے اس کو منہ لگایا اس کی حیثیت پاگل کتے کی سی ہے۔“
 میں نے نزہت کو سمجھایا۔ ”پاگل ہوئی ہو۔ اس قسم کے لوگوں سے
 ڈرنا نہیں چاہئے بلکہ ان سے دلچسپی لینا چاہئے۔ تم ذرا دیکھتی رہو۔“
 کیسے میرے دوست بنتے ہیں۔ ان عزیز محترم نے تو ایک عجیب دلچسپ
 مشغلہ سمجھایا ہے مجھے۔“

نزہت نے حیرت سے پوچھا۔ ”آخر ارادہ کیا ہے آپ کا؟ میں تو پھر
 یہی کہتی ہوں کہ اس کو تو دفع ہی کیجئے۔“

میں نے کہا۔ ”میں ان حضرت کا رومان لڑوائے دیتا ہوں۔“
 نزہت نے کہا۔ ”رومان؟ وہ کس سے۔ بھلا کس کی شامت آئی ہے
 کہ وہ شفقت سے رومان لڑانا گوارا کرے گی۔“

میں نے کہا۔ ”آج شام کو چائے پر لے چلیں گے تم کو۔ شفقت کی

ابھی میں سو کر اٹھا ہی تھا اور نماز پڑھنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ
 دیکھتا کیا ہوں کہ نزہت جو دن چڑھے سو کر اٹھنے کی عادی ہے۔ اندھیرے
 منہ چلی آرہی ہے۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ”خیریت تو ہے آج اتنی
 جلدی سواٹھیں؟“

نزہت نے کہا۔ ”نہ جانے آج کیا بات تھی کہ رات بھی کئی مرتبہ آنکھ
 کھل گئی اور اس وقت بھی اتنے سویرے جاگ اٹھی۔ میں تو رات بھی دو مرتبہ
 آپ کے کمرے کے چکر کاٹ گئی ہوں۔ مولانا آخر آپ اندر سے دروازہ بند
 کر کے کیوں نہیں سوتے؟“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”مگر تم تو کل بڑی بہادر بن کر کہہ رہی تھیں کہ
 ایسے بزدلوں کی اتنی جال نہیں ہوتی اور حال یہ ہے کہ رات بھر ڈر کے مارے

ہونے والی محبوبہ کے یہاں اس کو دیکھ کر اور اس سے مل کر تم خوش ہو جاؤ گی اور وہ ان صاحبزادے کو ایسا نچائے گی انگلیوں پر کہ یہ بھی یاد کریں گے۔“

نزہت نے بدستور حیرت سے کہا۔ ”عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں آپ بھی۔ مجھے رات بھر آپ کی فکر رہی کہ نہ جانے وہ کم بخت آپ کو موقع پا کر کیا نقصان پہنچا دے اور آپ کو سوچ رہی ہے دل لگی۔“

میں نے کہا۔ ”رات تک میں بھی سنجیدہ تھا۔ مگر جب سے یہ ترکیب ذہن میں آئی ہے میں بالکل مطمئن ہوں۔ اس قصے میں الجھنے کے بعد وہ میرے دشمن نہیں بلکہ نہایت سعادت آثار مرید نہ بن جائیں تو میرا ذمہ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی توجہ تہاری طرف سے بھی ہٹ جائے گی ان کو تو دراصل اپنے لئے ایک جھوٹے یا سچے رومانی سلسلے کی جستجو ہے وہ میں ان کے لئے مہیا کئے دیتا ہوں۔“

نزہت نے بڑے تجسس کے ساتھ پوچھا۔ ”آخر وہ ہیں کون ایسی فالو جن کو آپ اس حد تک آمادہ کر لیں گے؟“

میں نے کہا۔ ”بھئی وہ ایک ہی بلائے بے درماں ہے اپنے وقت کی۔ میرے ایک عزیز دوست ہیں ہاشم یہ ان کی نیگم صاحبہ کا ذکر ہے۔“

نزہت نے واقعی کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ہائے میرے اللہ شادی شدہ خاتون ہیں وہ۔“

میں نے کہا۔ ”تو کوئی وہ خدا نخواستہ ان حضرت سے واقعی دل کا سودا

تھوڑی کرنے بیٹھ جائیں گی۔ یہ تو ان میاں بیوی کا ایک عجیب و غریب شوق ہے کہ اس قسم کے بیوقوفوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب کوئی شکار مل جاتا ہے تو اس کے تڑپنے کا تماشا دیکھتے ہیں۔“

نزہت نے کہا۔ ”کیا بے ہودہ شوق ہے۔“

میں نے اس خیال سے کہیں نزہت واقعی ہاشم اور اس کی بیوی جہاں آرا کی طرف سے بدظن نہ ہو جائے۔ ان دونوں کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے کہا۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ہاشم اور جہاں آرا دونوں کالج فیلو ہیں اور ان کی یہ شرارت کالج ہی کے زمانے سے چل رہی ہے۔ دراصل ان کی شادی کالج ہی کے زمانے سے طے تھی مگر اس کا کسی کو علم نہ تھا اور کالج کے بہت سے دل پھینک جہاں آرا کے بدولت شاعر تک بن چکے تھے۔ ایک تو جہاں آرا خود ہی کیا کم تھی۔ اس پر طرہ ہاشم کی سازش۔ نتیجہ یہ کہ ایسے ایسے گھاگ احق بنے ہیں کہ میں کیا کہوں۔“

نزہت نے بڑی شرارت سے پوچھا۔ ”اس فہرست میں آپ کا نام نامی کس نمبر پر تھا؟“

میں نے کہا۔ ”میں اس لئے بچ گیا کہ اس قسم کے موقعوں پر ایک آدھ ہمزہ کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ البتہ اتنا احق ضرور بنا کہ میں ان ہی احمقوں کی فہرست میں مدتوں ہاشم کو بھی سمجھتا رہا۔ اس بد معاش نے مجھے ایسے دوست کو بھی نہ بتایا کہ اس کی نسبت جہاں آرا سے طے پا چکی ہے۔ البتہ یہ

میں اندازہ ضرور کر رہا تھا کہ ہاشم اس معاشقے میں اپنی فطرت کے خلاف کچھ لئے دیئے ساتھ اور جس طرح دوسرے احق اپنی سر آہوں سے محبت کی آکس کریم جمانے میں مصروف تھے یا نہایت تیزی سے شاعر بننے جا رہے تھے یہ کیفیت ہاشم کی نہ تھی۔“

نرہت نے کہا۔ ”خیر وہ طالب علمی اور کھلنڈرے پن کا زمانہ گذر گیا۔ اب تو وہ دونوں میاں بیوی ہیں نا۔ اب اس شرارت کے کیا معنی؟“
میں نے کہا۔ ”اب اس شرارت کا ان کو موقع ہی کب ملتا ہوگا۔ ہاشم ڈی ایس پی ہے اور بڑی اکڑفوں سے رہتا ہے مگر اس شرارت پر تو اب میں اس کو آمادہ کروں گا اور اتنا اعتماد مجھے ضرور ہے کہ یہ دونوں تیار ضرور ہو جائیں گے۔ پھر دیکھنا اپنے ان بدھو کی ڈرگت۔“

نرہت نے کہا۔ ”بچ مچ مزا تو بہت آئے گا مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ مجھے تو اب اس شخص سے کچھ کھن سی آنے لگی ہے۔ اللہ جانتا ہے سخت بور قسم کا آدمی ہے۔“

میں نے نرہت کو یقین دلایا کہ جس کو تم بور سمجھ رہی ہو وہ اس قصے کے بعد اتنا دلچسپ جانور نکلے گا کہ دل سے اس کی قدر کرو گی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بنا بنایا چغہ ہم کو اپنے خزانہ غیب سے عطا کیا ہے تو ہم کو اس کی قدر کرنا چاہئے اور کفران نعت کا مرتکب نہ ہونا چاہئے۔ بہر حال نرہت سے شام کا پروگرام طے کر کے میں نے اس سے اجازت چاہی کہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا

ہے اور اس کے جانے کے بعد وضو کر کے نماز پڑھی۔ میں ابھی نماز سے فارغ ہی ہوا تھا کہ منشی جی اپنا حق لے کر تشریف لے آئے اور مجھ کو ان سے بھی دیر تک سر کھپاؤ پڑا۔ وہ آج بار بار اسی بات پر زور دے رہے تھے کہ مجھ کو اپنی طرف سے اور نرہت کی طرف سے پوری طرح ہوشیار رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ شفقت کو وہ قطعی غنڈہ قرار دے چکے تھے اور اس کے لئے اپنے ڈنڈے کو تیل پلانا شروع کر دیا تھا۔ منشی جی نے یہ بھی فرمایا کہ اب وہ اپنی واپسی اس وقت تک کے لئے ملتوی کر چکے ہیں جب تک شفقت کا یہ جھگڑا کسی نہ کسی صورت سے طے نہیں پاتا۔ منشی جی ابھی موجود ہی تھے کہ جج صاحب بھی تشریف لے آئے اور ان سے معلوم یہ ہوا کہ آج سب نے طے کیا ہے برک فاسٹ بجائے کھانے کے کمرے کے میرے ہی کمرے میں ہوگا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے چچی جان اور اعجاز اور نرہت بھی سب میرے کمرے میں آکر موجود ہوئے۔ جج صاحب نے کہا۔

مولانا! ہم سب آپ کے مہمان ہیں۔ آج اور آپ کے دسترخوان پر اپنی روزی کھانے کے ارادے سے آئے ہیں۔

مگر چچی جان نے اس شکفتہ جملے کے باوجود کہا۔ بھئی مولانا میں تو بچ پوچھو تو اس لئے آئی ہوں کہ آج سے تم اور نرہت دونوں ساتھ ساتھ کار پر جایا کرو گے۔ نرہت کو کالج چھوڑ کر جایا کرو۔ اور واپسی میں ساتھ لے کر آیا کرو۔ اور ان کی پرنسپل سے آج ہی مل کر کہہ دو کہ کالج میں تمہارے اور نرہت کے

ڈیڈی کے علاوہ اگر کوئی اور آئے تو نزہت کو ہرگز اس سے نہ ملنے دیا جائے۔“
 منشی جی نے کہا۔ ”میں تو یہ کہتا ہوں کہ کالج وائج سب واہیات بس
 ہو چکا پڑھتا۔“

نچ صاحب نے کہا ”نہیں بھائی صاحب تعلیم تو جاری ہی رہنے
 دیجئے۔ البتہ اگر ان صاحبزادے نے اپنے حواس درست نہ کئے تو مجھے ان کا
 باقاعدہ بندوبست کرنا پڑے گا بہر حال آج سے مولانا اور نزہت ساتھ جائیں
 گے اور ساتھ آئیں گے۔ یہ طے ہے۔“

(۱۷)

جس وقت میں نزہت کے ساتھ ہاشم کے یہاں پہنچا ہوں۔ جہاں
 آرا اور ہاشم دونوں بے صبری سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی
 ہاشم دوڑ کر لپٹ گیا اور اس کو یہ بھی بوش نہ رہا کہ نزہت کو سلام کرتا۔ یہاں
 تک کہ جہاں آرا کو کہنا پڑا۔“

”یہ بھرت ملاپ تو ہوتا رہے گا۔ وہ بے چاری حیران کھڑی ہیں۔“
 میں نے ایک دم چونک کر کہا۔ ”بھئی ہاشم یہ ہیں نزہت میری چچا
 زاد بہن خیر یہ رشتے وشتے تو ہوتے ہی ہیں۔ ویسے یہ اپنی قسم کی چیز ہیں اور
 خوش نصیب ہیں کہ اب تک کالج کی زندگی ان کو حاصل ہے اور نزہت ان
 دونوں کا میں تفصیلی تعارف تم سے کرا چکا ہوں۔ بہر حال یہی ہیں ہاشم اور

ناشتے کے بعد میں نزہت کو اس کے کالج چھوڑتا ہوا اپنے کالج پہنچ
 گیا اور ایک ٹیلیفون پر چچی جان کو یقین اور اطمینان دلادیا کہ نزہت بخیریت
 کالج پہنچ گئی ہے اور دوسرا ٹیلیفون میں نے ہاشم کو کیا کہ بھئی آج ہم نے اپنی
 ٹی پارٹی تمہارے یہاں کر لی ہے اور ہم دو مہمان آج تم میاں بیوی پر نازل
 ہو رہے ہیں اور اس سے قبل کہ ہاشم کسی اور غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ اس کا غائبانہ
 تعارف نزہت سے کرا دیا کہ وہ میری بیچا زاد بہن ہے اور اس کے متعلق تم کسی
 غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا۔ ہاشم اور جہاں آرا چاہتے تھے کہ میں اسی وقت بلکہ
 ٹیلیفون پر ہی ان کے گھر پہنچ جاؤں۔ کسی طرح لائن چھوڑتے ہی نہ تھے۔ مگر
 میں نے ان سے جلد پیچھا چھوڑا کر چچی جان کو ایک دوسرا ٹیلیفون کر دینا بھی
 ضروری سمجھا کہ میں نزہت کو کالج سے واپسی پر ایک ٹی پارٹی میں لے کر جا رہا
 ہوں۔ لہذا اور ادیر ہو جائے گی۔ وہ بہت فکر نہ ہوں۔“

جہاں آ رہا تھم۔

جہاں آرانے حسب معمول شرارت سے کہا۔ ”اتنے تفصیلی تعارف سے بھی آدمی بور ہو جاتا ہے، بہر حال آئیے زہمت بہن بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔“

ان دونوں کے ساتھ ہم دونوں بھی لان کی طرف بڑھے۔ جہاں نشست اور چائے کا انتظام تھا۔ ہاشم نے چلتے چلتے کہا۔ ”اور میں نے کہا۔ مرد مومن کیا حال ہے تیری نمازوں کا؟“

زہمت نے پلٹ کر جواب دیا۔ آپ نے مصلیٰ پچھو رکھا ہے یا نہیں بس اب یہ کہنے ہی والے ہیں کہ نماز کا وقت آ گیا۔“

میں نے کہا۔ ”بھئی ان کے گھر میں چھوٹے بڑے۔ آئے گئے سب مجھ کو مولانا کہتے ہیں۔ یہ بھی مولانا کہتی ہیں۔ ہمارے چچا جان یعنی جج صاحب بھی مولانا کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کے گھر میں جگت مولانا ہے آپ کا یہ نیاز مند۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”ہم لوگ بھی تو ان کو کچھ کہتے تھے۔“ ہاشم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”سیدی و مولائی“ یاد ہے میں نے تو باقاعدہ ان کے دست حق پرست میں اپنا ہاتھ دیا تھا اور اس کے بعد سے ہمیشہ ان کو مرشد کہا۔ دعوت ہوئی باقاعدہ۔ قوالی کی محفل گرم ہوئی سعید احمد اور اس کے

بھنواؤں نے ایسی قوالی سنائی کہ پروفیسر احسان تک وجد میں آ کر گھر سے نکل آئے تھے۔ یا آج کل سعید احمد ہے کہاں؟ کہیں سچ سچ قوال تو نہیں بن گیا۔“ میں نے کہا۔ ”جی آجکل ہائی کورٹ میں قوالی سناتا ہے۔ اس نے تولا کر لیا تھا۔ آجکل بڑی اچھی پریکٹس ہے اس کی۔ مگر ہے بجنہ لفنگا کالنگا۔ ایک دن راستہ میں مل گیا تھا کار روک کر لگاؤ ہیں گانے کے۔ اے ساقیا ساقیا ساقیا

جہاں آرانے کہا۔ ”بھئی ایک دن سب کو جمع کیا جائے۔“ میں نے کہا۔ ”تمہارے یہاں تو آنے سے رہا وہ۔ فہرست میں کیا نمبر تھا اس کا؟“

جہاں آرانے ہنس کر کہا۔ ”اچھا وہ فہرست۔ عاشق جاننا نمبر سترہ تھے یہ حضرت!“

میں نے کہا۔ ”اچھا تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ آج ہم دونوں کو یہاں آنے کی سوچھی کیسے؟“

ہاشم نے کہا۔ ”گویا ہم دونوں جو سمجھ رہے ہیں کہ پرانے ساتھیوں کی محبت نے جوش مارا ہے۔ وہ غلط ہے اور اس یاد آوری کی خلوص اور یگانگت کے علاوہ کوئی اور جی وجہ ہے۔“

جہاں آرا بھی بولیں۔ ”یہ تو ٹیلیفون سن کر دوڑے دوڑے میرے

پاس آئے کہ مرشد کا ٹیلیفون ہے۔ آج اس کو ہم لوگوں کی یاد ستار ہی ہے۔

میں نے کہا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ یاد تازہ کرائی ہے ہم دونوں کے ایک عزیز نے جن کا نام نامی اسم گرامی شفقت ہے۔ خدا کی قسم جہاں آرا ان کو دیکھ کر تم بدر، انجم، شفیق ان سب کو نہ بھول جاؤ۔ تو میرا ذمہ۔“

ہاشم نے کہا۔ ”خیر اور سب کو تو ممکن ہے ہم لوگ بھول جائیں مگر بدر کے پایہ کا احق ناممکن ہے۔ بھی وہ تو بچ بچ مرچلا تھا۔ وہ تو کہو کہ شائستہ آڑے آگئی اور اس سے عین عالم نزع میں رومان شروع ہو گیا۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”خیر جہنم میں گئے بدر آپ ان کی بات کیجئے یہ جو شفقت صاحب ہیں۔“

نزہت نے کہا۔ ”بہن ان کی تعریف مجھ سے سنئے۔ یہ میرے حقیقی چچا کے نور نظر واقع ہوئے ہیں اور خیال ان حضرت کا یہ ہے کہ ان کی تخلیق کے بعد خود قدرت نے اپنا ہاتھ چوم لیا تھا کہ واہ کیا چیز بنا دی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”بھئی یہ صاف صاف نہ بتائیں گی۔ مجھ سے سنو۔ یہ برخود غلط لوند ایہ سمجھتا ہے کہ اس کو اس دور کی لڑکیوں کے لئے موت کا فرشتہ بنا کر پیدا کیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کو ایک نظر دیکھ لے بغیر مرے نہیں رہ سکتی۔“

جہاں آرا نے بڑی آمادگی سے کہا۔ ”تو پھر مرنا چاہئے ان پر کالج کے بعد سے ان مرحومین کے لئے تو جیسے ترس ہی گئے۔“

میں نے کہا۔ ”بات تو سنو۔ خیر سے آپ کا یہ غلام ان بے چاری کا بھی خریدار واقع ہوا ہے اور ہر چند کہ ان کے گھر میں کسی کے دماغ میں یہ فہم نہیں کہ ان حضرت کے متعلق اس قسم کی بات ذہن میں بھی لائی جائے مگر وہ اپنی جگہ یہی طے کئے ہوئے بیٹھے ہیں کہ گویا یہ تو ہیں ہی ان کی اور ان کے علاوہ شغل کے طور پر اپنے حسن جہاں سوز کی بجلیاں ادھر ادھر بھی گراتے پھرتے ہیں۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”ہائے اللہ! ان کو لائے نہیں ساتھ میں تو ایسے احمقوں کے لئے ترس کر رہ گئی ہوں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”خیر۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ آپ بدر۔ انجم اور شفیق کی طرح کسی کو احق بنا سکیں۔“

میں نے کہا۔ ”اچھا یہی سہی اگر ہمارا یہ چغہ بدر۔ انجم اور شفیق سے اچھی کوالٹی کا نہ ہو تو دام واپس۔“

جہاں آرا نے بڑے اشتیاق سے کہا۔ ”تو لائیے نا ان کو۔ شہاب بھائی ان لوگوں کے بغیر زندگی کچھ عجیب مفلوج سی ہو کر رہ گئی ہے۔ یہی حضرت آجائیں تو ذرا ہما بھی تو پیدا ہو۔“

نزہت نے کہا۔ ”مگر ہاشم بھائی ٹھہرے پولیس آفیسر کہیں وہ کم بخت ڈرنہ جائے کہ ہاتھی سے کون گنا چھینے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”یہ تو میرا آرٹ ہے کہ میں ان کو ڈرنے نہ دوں گی
ڈریں گے تو وہ جب کہ میں ڈرانا چاہوں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”صاحب یہ تو مجھ کو دودھ کی مکھی کی طرح ایسا پھینکیں گی
نکال کر کہ آپ بھی حیران رہ جائیں۔“

میں نے کہا۔ ”بھئی یہ صرف ایک دلچسپ ڈرامہ ہی نہ ہوگا۔ بلکہ کار
ثواب بھی ہوگا کہ اس بے چاری کی جان بچ جائے گی۔“

اور یہ کہہ کر میں نے من و عن ان حضرت کی پوری داستان جوان
دونوں کو سنائی تو جہاں آرا سے زیادہ ہاشم کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ شفقت کی
واقعی گت بنانا چاہئے۔ اب تک تو صرف جہاں آرا بار بار یہ کہہ رہی تھیں کہ
اس قسم کے لوگوں کے لئے کالج کے بعد سے ترس کر رہ گئی ہوں مگر یہ داستان
سننے کے بعد تو ہاشم بھی شفقت کے لئے بے قرار ہو گیا۔ نزہت کی سادگی
ملاحظہ ہو کر جہاں آرا سے پوچھنے بیٹھ گئی کہ:

”مگر واقعی یہ تو بتائیے کہ آپ سے یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ آپ شفقت کو
اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے خود اپنے کو اس امتحان میں ڈالیں۔“

جہاں آرا نے ہنس کر کہا۔ ”بس یہ نہ پوچھو۔ زندگی بھر صرف اسی فن
میں مہارت حاصل کی ہے۔ کالج میں پڑھا لکھا تو خیر واجب ہی واجب البتہ
فنِ احمق سازی میں وہ مہارت حاصل کی ہے کہ بڑے بڑوں کی گت بنا کر

رکھ دی۔ شہاب بھٹیا وہ یاد ہیں ارجمند جن کو آپ لوگ فرزند ارجمند کہا
کرتے تھے۔“

میں نے جوش میں آکر تالی بجاتے ہوئے کہا۔ ہاں ہاں۔ وہ یاد کیوں
نہ ہوتا وہ مردود بھی آجکل پنڈی میں ہے۔ ایک دن مل گیا تھا فوجی وردی
میں۔ اس کو دیکھ کر میں نے ایک لفافہ نکال کر اس کے منہ کے قریب جو نچایا تو
وہ حیران رہ گیا۔ میں نے کہا کہ معاف کیجئے گا میں آپ کو لیٹر بکس سمجھتا تھا تو
ایک دم مجھ کو پہچان کر لپٹ گیا صاحب اب تو وہ میجر ہے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”اس کا ایسا چالاک آدمی کس روانی سے ٹھنڈی
سانسیں بھرنے لگا تھا۔ بھی اللہ کسی طرح ان سب کو ایک ہی مرتبہ جمع
کر دیجئے۔“

ہاشم نے میرے کو آواز دے کر چائے طلب کی اور اس موقع سے
فائدہ اٹھا کر میں نے ایک گوشے میں جا کر نماز پڑھ لی۔ اب جو میں نماز پڑھ
کر لوٹا ہوں تو نزہت ان دونوں سے ایسی گھل مل گئی تھی کہ تینوں ہنسی کے
مارے لوٹے جا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی نزہت نے کہا۔ ”مولانا یہاں تو
واقعی شفقت سلمہ ایسے شہید ہوں گے کہ پانی بھی نہ مانگیں۔ خدا کے لئے ان
کو جلد سے جلد یہاں پہنچا دیجئے۔“

میں نے چائے کی میز پر حملہ آور ہوتے ہوئے کہا۔ ”اچھا تو گویا اب

تم کو بھی یقین آگیا اس مریض عشق کے لئے یہی اسپتال مناسب رہے گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تو جہاں آرا کا اس معاملہ میں اتنا معتقد ہوں کہ میرا ہی دل خوب جانتا ہے مگر شکر ہے کہ تم کو بھی اب یقین ہو گیا۔“ دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی اور جہاں آرا بار بار یہی کہتی رہی کہ شہاب بھیا! آپ نے یہ بڑا احسان کیا کہ نزہت۔ ایسی بہن سے مجھ کو ملا دیا۔ واقعی یہ بالکل اپنے مطلب کی ہیں۔ خود نزہت کو بھی جہاں آرا بہت پسند آئی اور اس وقت دونوں اس طرح رخصت ہوئیں جیسے نہ جانے کب کے تعلقات تھے۔“

(۱۸)

شفقت کا قصہ ایسا شروع ہوا کہ منشی جی مع اپنی خصوصیات کے گویا ایک دم پس منظر میں چلے گئے ان کی وہ تمام ناقابل برداشت باتیں جن سے سب پناہ مانگتے تھے۔ اس قصہ کی وجہ سے غیر محسوس ہی بن کر رہ گئیں۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ اگر پھانس کی تکلیف بہت ستائے تو انگلی کاٹ دیجئے۔ انشاء اللہ پھانس کی تکلیف باقی نہ رہے گی۔“ یہ دوسری بات ہے کہ کئی ہوئی انگلی کی اس سے شدید تکلیف پیدا ہو جائے۔ ایک جھوٹی مصیبت گوارا بن جاتی ہے جب اس سے بڑی مصیبت سے دو چار ہونا پڑے شفقت کے قصہ کی وجہ سے اب نہ تو بیچ صاحب کو اس کا ہوش تھا کہ منشی جی ان کے گول کمرے میں کتنی مرتبہ اپنا حقہ لٹتے ہیں۔ نہ چچی جان کو یہ خیال کہ منشی جی کی وجہ سے سب کو کھانے کی میز چھوڑ کر فرشی دسترخوان پر کھانا پڑتا ہے اور نہ نزہت کو اب منشی جی کی ان باتوں

یہاں بلا سکتا ہوں نہ یہ باتیں کالج میں ہو سکتی ہیں۔“

چونکہ خود اس کا دل چور تھا۔ لہذا وہ اس کو بھی سازش سمجھ کر بولا۔

کوئی غلط فہمی نہیں اور نہ میں آپ سے کوئی تفصیلی بات کرنا چاہتا

ہوں۔ مجھے صرف یہ پوچھنا ہے کہ آپ کو میرا خط ملا تھا؟“

میں نے کہا۔ ”خط ملا تھا مگر جواب کس پتے پر دیتا؟“

اس نے کہا۔ ”جواب کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ سب سے بڑا

جواب تو یہ تھا کہ آپ وہاں سے چلے گئے ہوتے۔“

میں نے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کو

آخر کس طرح یقین دلاؤں کہ آپ مجھ کو غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں وہاں سے

آج جانے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ آپ مجھ سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد بھی

میری رائے دیں۔

شفقت نے مجھ کو مشکوک نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ”تو کر لیجئے تبادلہ

خیال۔ آخر یہاں بات کرنے میں کیا نقصان ہے؟“

میں نے اس کے شک کو ایک حق بجانب حماقت سمجھتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو آئیے۔ اسی سبزہ زار پر بیٹھ جائیں۔“

وہ اپنے سے ہوشیار اور مجھ سے خبردار میرے ساتھ آکر سبزہ زار پر

بیٹھ گیا تو میں نے اس کو نہایت نرمی اور مٹھاس کے ساتھ سمجھایا کہ میں اس کا

کسی رنگ میں حریف نہیں ہوں بلکہ اگر وہ چاہے تو خود اس کی مدد کرنے کو تیار

ہوں رہ گیا میرا بیچ صاحب کے یہاں رہنا۔ اس کا سلسلہ میں نے ختم کرنے

کی کئی مرتبہ کوشش کی ہے اور اب بھی کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے اس سے

براہ راست سوال کیا۔ ”اچھا یہ بتائیے شفقت صاحب آپ نے میرے کس

رویہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ میری توجہ نہایت کی طرف ہے۔“

شفقت اتنی دیر میں ایک حد تک نرم پڑ چکا تھا۔ اس نے کہا۔ ”آپ کی

توجہ نہ کبھی مگر ان لوگوں کی وجہ آپ کی طرف ہے۔“

میں نے کہا۔ ”عقل مند آدمی تم کو مجھ سے نہیں بلکہ اعجاز سے ڈرتا

چاہئے جو واقعی تمہارا حریف ہے اور تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اعجاز کے والد منشی

امتیاز علی صاحب آجکل اسی لئے یہاں آئے ہوئے ہیں کہ وہ تمہاری عدم

موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اعجاز کے لئے راہ ہموار کریں۔“

شفقت نے جوش میں آ کر کہا۔ ”یہ ناممکن ہے میرے مقابلے میں

اعجاز کا میاں نہیں ہو سکتا۔“

میں نے کہا۔ ”مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کامیاب ہو جائے

گا۔ میرا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ نہایت کی اور میری معاشرت میں

زمین و آسمان کا فرق ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود میری توجہ ادھر نہیں

ہے۔ آپ وہاں سے غائب ہیں لہذا وہ بلا مقابلہ گویا منتخب ہو جائے گا۔“

یہ تیرا ایسا نشانے پر بیٹھا کہ شفقت تملتا ہی تو گیا۔ ”میری زندگی میں

اعجاز کا میاں نہیں ہو سکتا۔ اس کو میری لاش پر سے گزرنے پڑے گا۔ نہایت

کے قریب جانے کے لئے یا خود میں اس کے سرے کو اس کی قبر کی چادر بنا دوں گا۔“

میں نے کہا۔ ”برادر! جوش میں آنے کی بات نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ آپ مجھ سے اچھے رہیں گے اور منشی امتیاز علی اپنے بیٹے کے لئے راہ ہموار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حج صاحب چچی جان کے کس حد تک قبضے میں ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اعجاز چچی جان کی بہن کا لڑکا ہے۔ گھنے ہمیشہ پیٹ کی طرف جاتے ہیں۔“

شفقت نے کچھ غور کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر مجھے کیسے یقین آئے کہ باوجود اتنا سخت خط پڑھنے کے جو میں آپ کو لکھ چکا ہوں مجھے آپ کی دوستی حاصل ہو سکتی ہے۔“

میں نے کہا اگر آپ برائے ما میں تو عرض کروں کہ میں آپ کے اس سخت خط یا آپ کے اس خطرناک ارادے سے جو آپ کو یہاں لیا ہے ذرا بھی متاثر نہیں ہوں۔ اس لئے کہ میں آپ کو غلط فہمی کا مریض سمجھتا ہوں۔“

شفقت نے کہا۔ ”یہ واقعہ ہے کہ میں آپ ہی کو اپنا مقابل سمجھ رہا تھا۔“ میں نے کہا۔ ”قطعاً نہیں۔ اب آپ ہرگز ادھر کا رخ بھی نہ کریں بلکہ مجھ کو موقع دیں کہ میں آپ کے لئے قضا کو سازگار بنانے کی کوشش کروں اور پھر اگر مناسب ہو تو آپ کو لے جا کر سب سے ملا دوں۔“

شفقت نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”ان سب باتوں سے پہلے مجھ کو

معاف کر دیجئے۔ بخدا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ اتنے اونچے آدمی ہیں۔ اور دراصل یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ باوجود میری ان زیادتیوں کے آپ اس محبت سے مجھ کو سمجھا رہے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”دیکھئے شفقت صاحب! یہ محبت نہیں ہے بلکہ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ ایک شخص میری طرف سے خواہ مخواہ بدظن نہ رہے۔ اگر وہ مقصد پورا ہو گیا ہے تو سبحان اللہ ورنہ بدگمانی اور وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہ تھا۔“

شفقت نے نہایت ندامت سے مجھ کو اپنا ہمدرد تسلیم کر لیا اور میں اس کو دوسرے دن اسی وقت کالج بلا لیا تاکہ تفصیلی باتیں ہو سکیں۔

میں نے کہا۔ ”جی ہاں آجکل کی لڑکیاں اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کی بھی کوئی رائے اور اس رائے کا کوئی وزن ہوتا ہے مگر واقعہ صرف یہ ہے کہ لڑکی اس زمانے میں بھی ایک بے زبان جانور ہے۔“

نزہت نے کہا۔ ”میری تو سمجھ میں آتا نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ ڈیڈی یا ممی میری مرضی کے خلاف یعنی۔ گویا۔“ میں نے کہا۔ ”دیکھ لو آخر ہکلا گئیں نا۔ یہ گویا اور یہ یعنی کیا ہے یہ ایک لڑکی کی زبان ہے۔ اس لڑکی کی زبان جو باپ کو بتا نہیں بلکہ ڈیڈی کہتی ہے۔ جو ماں کو اماں نہیں بلکہ ممی کہتی ہے۔ مگر اپنی شادی کے ذکر پر آج بھی اس کی زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔“

نزہت نے کہا۔ ”یہ دوسری بات ہے مولانا۔“

میں نے کہا۔ ”اپنے کو دھوکا نہ دو نزہت یہ دوسری نہیں بلکہ پہلی ہی بات ہے اگر بچا میاں اور چچی جان واقعی اعجاز سے متاثر ہو جائیں تو وہ اپنی تمام مغربیت بھول کر اس مشرقی انداز میں تم سے اپیل کریں گے اور اپنی خاندانی روایات کے ایسے ایسے حوالے دیں گے کہ تم خواہ اپنی رائے میں تبدیلی کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔“

نزہت نے کہا۔ ”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ ڈیڈی اور ممی ایسی دقیانوسی باتوں کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔“

میں نے کہا۔ ”خدا کرے وہ نہ دیکھیں لیکن اگر انہوں نے خواب

(۱۹)

جس وقت میں نے نزہت کو اپنی اور شفقت کی اس ملاقات کا حال سنایا ہے وہ حیرت سے میرا منہ تک رہی تھی کہ میں ایسا چار سو بیس بھی ہو سکتا ہوں۔ مگر میں نے اس کو سمجھایا کہ اس میں چار سو بیس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ واقعی جس معاملے میں شفقت کھلو اپنا حریف سمجھتا ہے میں اس کے مقابلے پر نہیں ہوں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس خاص معاملے میں اس کو اگر کسی کو حریف سمجھنا چاہئے تو وہ اعجاز ہیں جن کے والد محترم کی تشریف آوری کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس گتھی کو سلجھا کر باقاعدہ نسبت کا ذکر چھیڑیں۔

نزہت نے ہنس کر کہا۔ ”غالباً آپ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ باتیں آپ اس زمانے میں کر رہے ہیں۔ جب لڑکیاں منجملہ مویشی نہیں ہوتیں کہ ان کو جہاں سے جی چاہے ہنکا کر جہاں جی چاہے باندھ دیا جائے۔“

دیکھا لیا تو تعبیر تم کو دیکھنا پڑے گی۔“

نزہت نے کہا۔ ”یہ آپ کو شبہ کیسے ہو گیا کہ ڈیڈی یا ممی دونوں یہ کمزوری دکھا سکتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”تم کو معلوم ہے کہ منشی جی سے میرے کیسے مراسم رہے ہیں۔ تم سب ان کو محض ایک اُجڑ جھتی ہو۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ وہ نہایت کائیاں ہیں اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ چچا میاں اور چچی دونوں پر ان کا کافی رعب ہے۔“

نزہت نے کہا کیا خاک رعب ہے۔

میں نے کہا۔ ”کیا کہا خاک رعب ہے کسی کے سامنے کہنا بھی نہیں ورنہ لوگ اس کو خاکروب سن لیں گے۔“

نزہت نے ہنس کر کہا۔ ”خدا بچائے آپ سے بھی کیا بات پیدا کر دی ہے کہ خالو جان سنیں تو سمجھیں کہ واقعی میں نے خاکروب کہا ہوگا۔ بہر حال چھوڑیے اس ذکر کو۔ یہ محض آپ کا وہم ہے۔ اعجاز ہوں یا شغفتہ یہاں اس قسم کے لوگوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں تو یہ کہتے کہ آپ نے ان حضرت کو ششے میں اتار لیا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”اب آج وہ کالج پہنچے گا۔ اور میں اس کو ہاشم اور جہاں آرا کے سپرد کر آؤں گا۔“

نزہت نے کہا۔ ”مگر ایک بات کان کھول کر سن لیجئے کہ میں اس کے

سامنے جانا نہیں چاہتی۔ براہ کرم مجھے ان حضرت سے دور ہی رکھئے گا۔“
میں نے کہا۔ ہاں فی الحال تم اس کے سامنے نہیں آؤ گی۔ میں پہلے تم کو گھر پہنچا جاؤں گا۔ اس کے بعد واپس جا کر کالج میں ان سے ملوں گا۔ اور ان کو لے کر ہاشم کے یہاں چلا جاؤں گا۔“

چنانچہ میں نے اسی پروگرام پر عمل کیا کہ کالج سے واپسی پر پہلے نزہت کو گھر پہنچایا۔ اس کے بعد پھر کالج پہنچ کر میں نے شفقت کو ساتھ لیا۔ اور ہاشم کے یہاں جا پہنچا۔ ہاشم کو اس پروگرام کی اطلاع پہلے ہی فون پر کر دی تھی۔ چنانچہ وہاں شفقت کے خیر مقدم کے انتظامات مکمل تھے اور انتظام ہی کیا ہونا تھا۔ سوائے اس کے کہ جہاں آرا نہایت ہوش ربا انداز سے بظاہر سادہ مگر دراصل نہایت پرکار بنی ہوئی نظر آئی۔ بالوں میں پھول لگائے مونگیا رنگ کی ساڑھی میں اپنے سبزہ زار پر وہ واقعی قدرت کا شاہکار بنی بیٹھی تھی۔ ایک تو کم بخت ہے ہی بلا کی جاذب نظر پھر جب وہ خود دانستہ اپنے میں جذب پیدا کرے تو ہوش و حواس کو قابو میں رکھنا مشکل ہی ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہاشم نے بڑھ کر ہم لوگوں کا خیر مقدم کیا۔ میں نے شفقت کا تعارف پہلے ہاشم سے پھر جہاں آرا سے کر لیا اور شفقت کو بتا دیا کہ صرف یہی دو میرے ایسے دوست یا عزیز ہیں جن سے میں اپنا دکھ سکھ کہہ سن لیتا ہوں اور تم بھی ان پر ایسا ہی اعتماد کرو کہ گویا یہی تمہارے بھروسہ ہیں۔“

پس تو یہ تعارفی رسم ادا کرنے کے بعد عصر کی نماز کے لئے وہاں سے

چلا گیا۔ مگر جب واپس آیا ہوں تو ان دونوں سے شفقت کے اتنے مراسم پیدا ہو چکے تھے کہ شفقت خود اپنی نفاست طبع پر روشنی ڈال رہے تھے کہ۔

”صاحب! مجھے تو اس کا خطبہ ہے کہ انسان کا پہلی نظر میں اندازہ اس کے لباس سے ہوتا ہے اگر لباس میں سلیقہ اور نفاست سے کام نہیں لیا گیا ہے تو یقیناً وہ شخص نفیس طبع نہیں ہے۔“

جہاں آرانے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ تو ہے۔ اللہ جانتا ہے شفقت صاحب میری آنکھیں آشوب کر آتی ہیں۔ جب میں کسی کو بے ڈھنگے لباس میں دیکھتی ہوں اور قسمت ایسی پائی ہے کہ دنیا کا سب سے بے ڈھنگا انسان پالے پڑا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”کیا بات ہے۔ یہ کس کا ذکر ہے؟“

جہاں آرانے کہا۔ ”جناب کے محب مکرم ہاشم صاحب کا ذکر خیر ہے۔ ذرا حلیہ ملاحظہ ہو۔ سوٹ کے لئے ہر رنگ بھی کوئی رنگ ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ قد آدم ہری مرچ کھڑی ہے سامنے۔ آخر شفقت صاحب بھی تو ہیں جی خوش ہو گیا۔ یہ سلیقہ دیکھ کر سر مٹی سوٹ ہے اس پر کس قیامت کے بیچ کی ٹائی باندھی ہے۔ پھر موزے رومال میں کس کس چیز کا ذکر کروں۔“

میں نے کہا۔ ”بھئی یہ سلیقہ تو ہمارے شفقت بھائی پر ختم ہے۔ ایک تو خوش پوشاک ہیں دوسرے خدا نظر بد سے بچائے بلا کے جامہ زیب بھی ہیں کہ جو پہن لیا وہ جگ گیا۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”ہاں یہ چھب بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے شفقت صاحب! آپ نے کبھی اپنا مشرقی لباس بھی زیب تن کیا ہے؟“

شفقت نے سنجیدگی سے کہا۔ ”جی ہاں اکثر شیر وانی بھی پہنتا ہوں۔ چوڑی والا پاجامہ اور شلوار دونوں استعمال کرتا ہوں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”مگر شفقت صاحب معاف کیجئے گا۔ یہ سوٹ یا تو کسی نہایت فنکار درزی نے سیاہے ورنہ ولایت کا سلا ہوا ہے۔“

شفقت نے کہا۔ ”جی نہیں ولایت کا تو نہیں مگر درزی البتہ ذرا اونچے قسم کا ہے جو کپڑے سے کہیں زیادہ گراں سلوائی لیتا ہے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”میں کہتی ہوں۔ بعض جسم ہی ایسے ہوتے ہیں کہ کپڑا ان پر آکر جگ جاتا ہے۔ آپ درزی کی جگہ موچی سے سوٹ سلوا کر پہن لیں مگر میرا دعویٰ ہے کہ آپ پر اچھا معلوم ہوگا۔ اور ان حضرت کو ولایت سے سلوا کر منگا دیا جائے سوٹ اگر کبھی ان پر اچھا معلوم ہو تو میرا ذمہ۔“

شفقت نے غور سے ہاشم کو دیکھ کر کہا۔ ”نہیں خیر ایسا بے ڈھنگا جسم تو نہیں ہے۔“

جہاں آرانے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”ہائے میرے اللہ یہ بے ڈھنگا جسم نہیں ہے آپ نے بھی اخلاق کی حد کر دی۔ ہاتھ چھوٹے ہیں۔ پیر بڑے ہیں۔ ذرا گردن ملاحظہ ہو، معلوم ہوتا ہے اونٹ کی کوئی فالٹو گردن پڑی ہوئی تھی وہ کسی کام چور فرشتے نے ان کے جسم پر فٹ کر دی۔ جسم اس کو کہتے ہیں جو

آپ کا ہے۔ آپ ورزش تو نہیں کرتے شفقت صاحب!“
 شفقت نے کہا۔ ”جی نہیں یہ تو قدرتی جسم ہے۔“
 جہاں آرانے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”ہائے میرے اللہ غیر قدرتی ہوتا
 تو کیا قیامت ہوتا۔“

اور اسی طرح اس سنجیدگی اور متانت سے پہلے ہی دن جہاں آرانے
 ایک تو یہ ثابت کر دیا کہ اس کو اپنا میاں گویا پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا۔ دوسرے
 شفقت جس بات کے لئے مدت سے ترس رہے تھے کہ کوئی ان کا اس جامہ
 زہبی، اس چھب اور غارت گری کی داد دے۔ وہ بھی ان کو مل گئی۔ پھر یہی کیا
 ان کے گفتگو کے سلیقے کی جہاں آرانے داد دی۔ ان کی ذرا ذرا سی بات پر خواہ
 وہ کتنی ہی نامعقول کیوں نہ ہو؟ جہاں آرانے تسمین و آفریں کے وہ ڈونگرے
 برسائے کہ شفقت اپنے متعلق جن غلط فہمیوں میں مبتلا تھے ان کے علاوہ کئی
 اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر وہاں سے واپس آئے اور راستے بھر میرا شکریہ ادا
 کیا کہ میں نے ان کو بہت اچھے لوگوں سے ملا دیا۔

(۲۰)

اب میرا روز کا یہ معمول بن چکا تھا کہ نزہت کو لے کر کالج جانا۔
 نزہت کو لے کر کالج سے آنا۔ پھر شفقت کے لئے کالج جانا اور شفقت کو لے
 کر ہاشم کے یہاں پہنچنا پھر وہاں سے واپس آکر نزہت کو تمام رپورٹ دینا
 کہ آج شفقت پر کیا گزری۔ شفقت کا یہ عالم کہ اس نے اپنی غارتگری کے
 کمالات کی واقعی انہماک رکھی تھی۔ ایک سے ایک اعلیٰ درجے کا سوٹ کبھی
 شیروانی اور چوڑی دار پا جامہ ہے تو کبھی شیروانی اور شلوار ہے اور اہتمام یہ ہوتا
 تھا کہ گویا آج کل اس کا زیادہ وقت اپنی زیب و زینت ہی پر صرف ہوتا ہے۔
 چہرے سے لے کر جوتے تک ہر چیز چمکاتی ہوئی اور یہ اہتمام کیوں نہ ہوتا۔
 اس کو تو یقین ہو چکا تھا کہ اس نے جہاں آرا کو مکمل کر رکھا ہے۔ اور ہاشم سے
 عاجز آئی ہوئی جہاں آرا اس پر واقعی لٹو ہو چکی ہے، ایمانداری کی بات یہ ہے

کہ یہ تو خیر شفقت تھے اس معاملے میں تو بڑے بڑے منہ کی کھا جاتے ہیں۔ شفقت تو خیر پھر بھی صورت شکل کا برائہ تھا سوائے اس کے کہ اس کے چہرے پر ایک غیر مرنی بورڈ یہ ضرور لٹکا ہوا تھا کہ ”میں بے وقوف ہوں“ حماقت واقعی جھما جھم برستی تھی رخ روشن پر۔ مگر یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ مسور کی دال کھانے والے آئینے میں اپنا منہ نہیں دیکھتے۔ یا آئینہ دیکھتے ہیں تو آئینہ بھی ان سے جھوٹ بول جاتا ہے اور وہ اپنے چہرے کی ہر ممکن پھٹکار کو کریم اور اسنو کے پردوں میں اور خوش لباسی کے برقعوں میں چھپا کر اس طرح نکلتے ہیں گویا اب جو یہ سرباز ارجلیں گے تو عالم یہ ہوگا کہ۔

شور ہر سمت اٹھا مار چلا مار چلا

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو محبت کرنے سے زیادہ محبوب بننے کی حماقت میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو اسی غلط فہمی کے سہارے جھپٹتے ہیں کہ ان پر مرنے والے موجود ہیں شفقت کی سب سے شہ زور کمزوری یہی تو تھی کہ وہ اپنے کو جان عالم سمجھتے تھے۔ جہاں آرا کو بھی دراصل اسی قسم کے جانوروں کو پالنے کا شوق تھا اور کالج کے زمانے سے یہ اس کی ہابی تھی۔

آج میں کالج کے اسٹاف روم میں پہنچا ہی تھا کہ چیرا سی نے مجھ کو ہاشم کے گھر کا فون نمبر دیا کہ ٹیلیفون کر لیجئے میں نے فون کیا تو جہاں آرا بول رہی تھی اس نے میری آواز پہچانتے ہی کہا۔ ”شباب بھائی میں نے اس لئے فون کیا تھا کہ بھئی مزہ نہیں آ رہا ہے اس قصے میں اور غور کرنے کے

بعد اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ میری موت یا میرے مرحوم شفقت صاحب کو دراصل کھیل کھیلنے کا موقع ہی نہیں مل رہا ہے وہ دل ہی دل میں گھٹ رہے ہیں اور ان کو اظہار جذبات کا موقع نہیں ملتا۔ محض آپ کی اور ہاشم کی موجودگی کی وجہ سے۔“

میں نے بات کاٹ کر کہا۔ ”تو گویا بیگم صاحبہ آپ یہ دُعا کر رہی ہیں کہ۔“

رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لئے

آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

جہاں آرانے چیخ کر کہا۔ اے واہ! ماشاء اللہ۔ مزاج تو اچھے ہیں۔

گویا جناب کو بھی اس کے رقیب ہونے کی خوش فہمی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”میں نہیں بابا بلکہ ہاشم ہاشم سے بڑا رقیب اور کون ہو سکتا ہے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ہاں تو میری رائے یہ ہے کہ آج آپ دونوں بظاہر

غائب ہوں گے اور وہ مجھ سے تنہائی میں ملیں گے۔“

میں نے کہا۔ ”مطلب یہ کہ میں ساتھ نہ آؤں۔“

جہاں آرانے ڈانٹ کر کہا۔ ”تالو سے زبان لگا کر پہلے میری بات تو

سن لو۔ پروگرام یہ ہوگا کہ آپ ان کو ساتھ لائیں گے۔ پھر ہاشم آپ کو ساتھ لے کر چلے جائیں گے اور میں اس بت کا فر کو روک لوں گی۔ ہاشم آپ کو لے کر

ایک دروازے سے جائیں گے اور دوسرے دروازے سے کھانے کے کمرے میں پہنچا دیں گے۔ وہاں آپ دونوں کی حیثیت خاموش تماشائی کی ہوگی۔“

میں بھی اس پروگرام پر اچھل پڑا۔ اس لئے کہ یہ واقعہ تھا کہ میری اور ہاشم کی موجودگی میں شفقت اپنی حماقت کے تمام جوہر مشکل ہی سے دکھا سکتا تھا نہ جانے وہ کیا کیا ارمان دل میں لئے آتا ہوگا اور دل کی دل ہی میں لئے واپس چلا جاتا ہوگا۔ حالانکہ ضرورت اس کی تھی کہ اس سراپا دل کے ساتھ ہم پسبان عقل ہمیشہ تو خیر رہتے ہی ہیں۔

لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دیں

ورنہ اس کھیل سے کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ میں نے اس پروگرام کی پوری تائید کی بلکہ جہاں آرا سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ایسا پروگرام بن رہا تو میں نہ ہت کو بھی بجائے کالج سے گھر پہنچانے کے تمہارے گھر چھوڑ جاؤں گا تا کہ وہ بھی یہ تماشا دیکھ لے۔ جہاں آرانے بھی یہ تجویز مناسب سمجھی۔

چنانچہ اپنے کالج سے اٹھ کر میں نے پہلے نہ ہت کو یہ تمام پروگرام سمجھا کر ہاشم کے گھر پہنچایا اور پھر کالج واپس آ کر شفقت کا انتظار شروع کر دیا جو عموماً گھڑی کی سوئی کے ساتھ ٹھیک ساڑھے چار بجے پہنچ جایا کرتے تھے۔

آندھی آئے یا طوفان ان کا چار بجکر تیس منٹ پر پہنچنا برحق۔ چنانچہ آج بھی جیسے بھی جیسے ہی ساڑھے چار بجے شفقت حسب معمول خوشبوؤں میں بے بنے ٹھنڈے آم موجود ہوئے اور پہلے رومال سے منہ پونچھا۔ پھر شمال سے جوتا

صاف کیا اور بالوں پر ایک ہاتھ پھیر کر بولے۔ ”تو چلے نا مولانا!“

میں نے کہا ”یا میں آج اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ ہم دونوں کا روز روز وہاں جانا کہیں کھل نہ جائے۔ ہاشم اور جہاں آرا کو۔“

شفقت نے بڑے وثوق سے کہا۔ ”اجی نہیں تو بہ کیجئے۔ آپ کے ہاشم صاحب کے متعلق تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا البتہ جہاں آرا کا تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ اگر ہم ناغہ کر جائیں تو شاید وہ بہت اداس ہو۔ کل بھی مجھ سے پکا وعدہ لے لیا تھا کہ ٹھیک پانچ بجے یہاں پہنچ جائیں آپ۔“

میں نے کہا۔ ”شفقت بھائی تم تو یار جادو گر نکلے۔ ایسا مسکور کیا ہے اس لونڈیا کو میں کیا کہوں؟“

شفقت نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ ”نہیں خیر۔ وہ خود بھی نہایت خوش مزاج اور بے حد خلیق ہیں۔“

ہم دونوں اسی قسم کی باتیں کرتے جس وقت ہاشم کے یہاں پہنچے۔ تو ہاشم نے پلٹے ہوئے کہا۔ ”بھئی اب تو تم چائے والے پیو نہیں مولانا میں احسن کو وقت دے چکا ہوں۔ اس سے ملنا بے حد ضروری ہے میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ پہلے اس کے گھر چلو۔ آئیے شفقت صاحب آپ بھی چلئے۔“

جہاں آرانے بیزاری کے ساتھ کہا۔ ”تم جو بات کرو گے بیوقوفی کی کرو گے۔“ شفقت صاحب وہاں جا کر کیا کریں گے؟ بلایا ہے تم دونوں کو۔“

شفقت نے بغیر سمجھے ہوئے کہا۔ جی ہاں! میں میں خود یہاں ٹھہرنا

مناسب سمجھتا ہوں۔“

ہاشم نے جہاں آرا سے کہا۔ ”تو شفقت صاحب کو تم ڈراؤ ہنگ سے چائے پلا دینا۔“

جہاں آرا نے تھکے انداز سے کہا۔ ”آپ کے مشورہ کا شکریہ آپ تشریف لے جائیں۔“

اور جب ہاشم مجھ کو لے کر کھانے کے کمرے میں گیا تو نزہت ہم دونوں کے لئے چائے بنا چکی تھی۔ ہم دروازے کے قریب آ کر بیٹھ گئے جس کے سامنے ہی جہاں آرا اور شفقت دونوں کا انداز یہ نظر آ رہا تھا کہ۔

محبوب ہیں پینائش داماں میں لگے ہیں
آخر جہاں آفرانے بات چھیڑتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو ناگوار تو نہیں ہوا کہ میں نے آپ کو روک لیا۔“

شفقت نے عجیب نشی آ نکھیں بنا کر کہا۔ ”کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ یہ ناگوار ہونے کی بات تھی یا آپ نے میرے دل کی بات کی ہے یہ“

جہاں آرا نے بڑی محبوسیت سے کہا۔ ”آپ کا دل بھی چاہ رہا تھا کہ آپ کو میں روک لوں؟ آخر کیوں؟ کیوں چاہ رہا تھا آپ کا دل۔“

شفقت غالباً اس براہ راست سوال کے لئے تیار نہ تھا بوٹھا کر بولا۔

”جی وہ بہر حال میں صاف کیوں نہ کیوں کہ میں تو یہاں صرف آپ کی وجہ سے آتا ہوں۔ مجھے کسی احسن و حسن سے کیا دلچسپی۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”آپ میری وجہ سے آتے ہیں؟ اور یہ کہہ کر اس بلائے بے درماں نے نہایت کامیاب اداکاری کرتے ہوئے اپنا منہ حال سرکسی کی پشت سے لٹکالیا۔ پہلے خاموش رہی پھر ایک آہ بھر کر بولی۔ ”کاش! آپ اب بھی نہ ملے ہوتے مجھے۔ اگر آپ ہاشم سے پہلے مجھ کو نہ مل سکتے تو اب کیوں ملے ہیں۔ جب قدرت کی ستم ظریفی میری زندگی کو ایک مسلسل اور جیتی جاگتی موت بنا چکی ہے۔“

اس چغد نے بڑے فاتحانہ انداز سے کہا جی ہاں! یہ انداز تو مجھ کو بھی ہو چکا ہے کہ آپ بڑی المناک زندگی بسر کر رہی ہیں۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”شفقت صاحب! خدا جانے کتنی بے زبان لڑکیاں اپنے والدین کی مرضی پر اسی طرح قربان ہو کر رہ جاتی ہیں اور سعاشرہ کا ان سے مطالبہ ہوتا ہے کہ۔

موت کو بھی زندگی کہہ کر گوارا کیجئے

شفقت نے کہا۔ ”آپ اپنی جگہ یہ محرومی لئے بیٹھی ہیں اور میں یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ دیکھئے نا بہر حال میں بھی تو انسان ہی ہوں۔“

جہاں آرا نے منہ میں رد مال ٹھونستے ہوئے کہا۔ ”ہرگز نہیں۔ شفقت تم سب کچھ ہو چکے ہو۔ مگر انسان ہیں۔“

اور یہاں یہ حال کہ ہم تینوں کے ہاتھ میں چائے کی پیالیاں جلتی رنگ بجا کر رہ گئیں۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا مگر ہاشم تو واقعی بدھو نکلے،

اتنی زور سے ہنسنے میں کہ جہاں آرا کو سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہنا پڑا۔ ”وہ لوگ آگئے شاید۔“

اور اس کے بعد نزہت کو وہیں چھوڑ کر ہم دونوں بھی اسی کمرے میں آگئے جہاں شفقت اور جہاں آرا اب گویا ٹھیک ہو چکے تھے۔“

(۲۱)

آب گویا روزانہ یہ ہونے لگا کہ پہلے نزہت کو ہاشم کے گھر پہنچایا۔ پھر جا کر شفقت کو لے آئے اور کسی نہ کسی بہانے سے شفقت کو جہاں آرا کے پاس تنہا چھوڑ کر کھانے کے کمرے میں آگئے۔ ہاشم کو اس روز ہنسنے پر ایک فی پارٹی جرمانہ ہو چکی تھی۔ لہذا اب وہ بھی محتاط رہتا تھا۔ اور ہم سب نہایت خاموشی کے ساتھ اس رومانی ڈرامہ کا سیریل دیکھ رہے تھے۔ مگر اب نزہت کے خالو جان فشی امتیاز علی صاحب نے ناک میں دم کر رکھا تھا کہ یہ آخر تم دونوں غائب کہاں رہتے ہو اور اگر سچ پوچھئے تو ان کی یہ پریشانی تھی بھی حق بجانب۔ اس لئے کہ ایک دو دن کا قصہ ہو تو وہ چپ بھی رہیں۔ مگر یہاں تو معمول ہی یہ بن گیا تھا کہ صبح جو کالج گئے تو رات کے کھانے پر ملاقات کی نوبت آتی تھی بلکہ ایک دن تو بیچ صاحب نے بھی کھانے پر یہی ذکر چھیڑ دیا

کہ ”بھئی مولانا تمہاری غیر حاضری بہت شدت سے محسوس ہو رہی ہے اور بھائی صاحب تو سخت نالاں ہیں۔“

عرض کیا۔ ”جی ہاں یہ شکایت حق بجانب ہے مگر قصہ یہ درپیش ہے کہ وہ شیطان یہاں ڈی۔ ایس پی بن کر آ گیا ہے۔ ہاشم، خیرا گروہ تنہا ہوتا تو پھر بھی مفر کی کوئی نہ کوئی صورت ممکن تھی مگر اس کی بیوی جہاں آرا سخت واقع ہوئی ہے۔“

منشی جی نے بات کاٹ کر کہا۔ ”یعنی بیوی خطرناک ہے وہ کس معنی میں؟ عرض کیا صاحب اس معنی میں کہ یہ دونوں میاں بیوی ساتھ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ برسوں ساتھ رہا ہے۔ اب اتفاق سے ایک ہی شہر میں سب جمع ہو گئے ہیں تو اسی کے گھر جھگھٹا رہتا ہے اور اگر کسی دن وہاں نہ جائیں تو جرمانہ ہوتا ہے۔“

چچی نے کہا۔ مگر مولانا۔ اور ان کے گھر جاتے ہو کبھی ان کو بھی تو اپنے گھر بلاؤ۔“

نچ صاحب نے تائید کی۔ ”میرے منہ کی بات چھین لی بیگم نے۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا تو گویا یہ طرہ با کہ صبح آپ ان کو ٹیلیفون کریں گے کہ وہ دونوں سہ پہر کی چائے ہمارے ساتھ پیئیں گے۔“

نرہت نے کہا۔ ”ڈیڑی چائے پر نہیں کھانے پر بلا لیجئے۔ کل ان کے یہاں چائے پر پچھو اور دوست آرہے ہیں اور ہم دونوں کو بھی چاہیے۔ بس

چائے کے بعد کھانے پر ہمارے ساتھ ہی آجائیں گے۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”یہ اور بھی اچھا ہے۔ مگر بھائی صاحب کو راضی کر لو کہ کم سے کم کل کے لئے اجازت دے دیں کہ ہم کھانے کی میز استعمال کر لیں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”ضرور ضرور بھی یہ کبھی کبھار کی بات دوسری ہے۔ مگر روزمرہ کرسی پر ٹنگ کر میز پر کھانا کھاتے ہو۔ وہ تو خدا نہ کھلوائے میں فائدہ کر لینا گوارا کر سکتا ہوں مگر یہ مجھ سے ناممکن ہے کہ ایک ہاتھ میں پلیٹ پکڑے کھڑے ہیں دوسرے میں روٹی اب بتائیے تیسرا ہاتھ کس سے مانگیں؟ روٹی توڑنے اور نوالہ بنانے کے لئے۔“

نرہت نے فہم کر کہا۔ ”خالو جان آخر ہم لوگ بھی تو نوالہ بنایا لیتے ہیں اور روٹی تو زہی لیتے ہیں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”تم نے اپنی بھلی چلائی تم تو کانٹے سے چاول تک کھا لیتی ہو۔ مولانا آپ کی قسم میں نے جب کبھی اس نامراد کانٹے سے چاول کھانے کی کوشش کی۔ چاول پلیٹ میں گئے اور خالی کاغذ منہ میں۔ بخدا یہ تو بڑی کاریگری کا کام ہے اور مجھ سے یہ رتبہ ناممکن ہیں۔ اپنا یہی طریقہ ٹھیک ہے کہ ہاتھ سے نوالہ بنایا اور منہ میں پہنچا دیا۔“

نرہت نے چھیڑنے کے لئے کہا۔ ”تو کیا خالو جان کل بھی آپ ہاتھ ہی سے چاول کھائیں گے۔ مہمانوں کے سامنے۔“

منشی جی نے تیکھے تیروں سے کہا۔ ”تو کیا صاحبزادی میں آپ کے مہمانوں کی وجہ سے چھری کا نئے منہ میں گھسیڑ کر بجائے کھانے کے زخم کھالوں گا؟ تم صاف صاف کہہ دینا اپنے مہمانوں سے کہ یہ ہمارے دیسی رشتہ دار ہیں۔“

نچ صاحب ہنستے ہوئے کہا۔ گویا ہم لوگ دلالتی ہیں۔ بدبشی ہیں وہ تو یونہی شرارت کر رہی ہے۔ آپ ہاتھ سے کھائیے گا تو گویا یہ طے رہا کہ کل وہ دونوں ڈنر پر آرہے ہیں اور بھی اگر کسی کو بلانا ہے تو بلالو۔ کیوں بھی مولانا! میں نے کہا۔ ”جی نہیں اور کس کو بلانا ہوتا۔ ان دونوں سے تو گھر کے سے تعلقات ہیں۔ کھانے میں بھی کسی خاص تکلف کی ضرورت نہیں۔“

نچ صاحب نے کہا۔ اچھا اب گویا تکلف آپ نے شروع کیا۔ عجیب چیز ہیں مولانا آپ بھی۔ حضرت دعوت صرف مہمان کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اسی بہانے خود بھی ذرا پر تکلف کھانا نصیب ہو جائے مینڈویر سے نزدیک یہ ہو کہ چکن رومسٹ۔ فرائنڈش۔

منشی جی نے بات کاٹ کر کہا۔ ”میاں لا حول ولا قوۃ کھانے بھی تم کو وہی سوچ رہے ہیں میڈان انگلینڈ۔ دھوتی کھانے پر یہ اوٹ چانگ نہیں ہوتے کہ آدمی پہلے ان کا ترجمہ کرے پھر کھائے۔ دعوت کرنا ہے تو بھلے لہجوں کو طرح دعوت ڈھنگ کی کرو۔“

منشی نے کہا۔ ”اچھا تو آپ ہی بتائیے کیا ہو؟“

منشی جی نے کہا۔ ”ایک تو مرغ مسلم“

نچ صاحب بولے۔ ”وہی تو میں نے کہا تھا چکن رومسٹ۔“

منشی جی نے کہا۔ ”انگریزی میں کہو گے تو وہ تم سے زیادہ انگریز خانساں اور بھی انگریزی طریقے پر پکا کر رکھ دے گا۔ میں اس کو ہدایات دوں گا۔“

چچی نے کہا۔ ”چلئے یہ طے رہا کہ کل کھانے کے منتظم آپ ہی ہوں ص۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”ٹھیک ہے مگر ایک آدھ چیز خانساں انگریزی بھی بہت اچھی تیار کرتا ہے۔ مثلاً کولڈش اور وہ نارنگی کی بوڈنگ وہ ضرور اس سے تیار کرائی جائے۔“

منشی جی نے کہا۔ ”بابا سب کچھ منظور مگر خدا کے لئے وہ شور بانہ منگوانا میز پر جو تم لوگ کھاتے سے پہلے چپوں سے پیتے ہو صاحب عجیب نامعقول چیز ہوتی ہے۔ وہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ تیل دھو کر پی لی۔“

نرہت نے کہا۔ ”کمال کرتے ہیں آپ بھی خالو جان سوپ تو اتنی مزے دار چیز ہے کہ جواب نہیں اس کا۔ ذرا ان سے پوچھئے اعجاز بھائی سے کیوں اعجاز بھائی؟“

اعجاز بے چارے کے لئے عجیب امتحانی وقت تھا یہ بھی ایک طرف خوفناک باپ دوسری طرف وہ جن کی تائید بھی باپ سے زیادہ ضروری تھی

مجبوراً جان پر کھیل کر بولے۔ ”مجھے سوپ بہت اچھا لگتا ہے۔“
 منشی جی برس پڑے۔ ”صاحبزادے تمہارا دماغ تو سب سے زیادہ
 خراب ہوا ہے۔ وہ چوہٹ ہوئے ہو یہاں آ کر تم کہ تم کو تمہاری اوقات پر
 واپس لانے میں لاتیں درکار ہوں گی۔ بھول گئے وہ دن جب چولھے کے
 پاس بیٹھ کر ڈلیا میں روٹی اور کٹورے میں سالن لے کر کھایا کرتے تھے۔ سنا
 آپ نے؟ آج دیکھتا کیا ہوں کہ صبح کے ناشتے میں صاحبزادے بلند اقبال
 بھی بیٹھے دودھ میں دلیا ملا کر کھا رہے تھے۔ میں سمجھا کہ طبیعت کچھ خراب ہے
 مگر معلوم ہوا کہ جناب بھی صاحب لوگ والا ناشتہ کرتے ہیں۔ میاں انتہا یہ
 ہے کہ ان حضرت کو بھی اس حقے کے پانی کا شوق ہو گیا ہے۔“

نزعہت کو لطف آ رہا تھا چنانچہ اس نے بھی نمک چھڑکا۔ ”خالو جان۔
 اعجاز بھائی تو نمٹاؤ جوس بھی پیتے ہیں۔“

منشی جی نے اعجاز کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”کیوں؟ میں کہتا ہوں بر
 خوردار کیوں۔ شامتوں نے گھیرا ہے تمہیں خواہ ہی کھو بیٹھے تم تو۔“
 جج صاحب نے ہنس کر کہا۔ ”بھائی صاحب نمٹاؤ جوس میں کیا ہرج
 ہے؟ نمٹاؤ کارس تو کوئی بری چیز نہیں۔“

منشی جی نے کہا۔ نمٹاؤ کے کیا کہنے اور اس کارس تو سبحان اللہ! ان کی
 والدہ کو میں کچی کچی کے عرق میں نمٹاؤ کارس ملا کر پلایا کرتا تھا۔ جب ان پر
 تپ وق کا شبہ ہوا ہے اسی سے انہوں نے وہ رنگ بدلا اور وہ ہاتھ پیر نکالے کہ
 میں آپ سے کیا کہوں۔ نمٹاؤ تو صاحب لا جواب چیز ہے۔“

اور منشی جی کو نمٹاؤ کے فوائد گنواتا ہوا چھوڑ کر میں تو کھانے کی میز سے
 اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔“

جج صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ ”حقے کا پانی کیسا؟“
 نزعہت نے ہنس کر کہا۔ ”آپ کو نہیں معلوم۔ خالو جان کافی کو حقے کا
 پانی کہتے ہیں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”تو کیا غلط کہتا ہوں۔ میرے حقے کے پانی میں چینی
 ڈال کر دودھ ملا دو۔ اگر مزے میں ذرا بھی فرق ہو تو جو چور کی سزا وہ میری دسی
 رنگ ہوگا۔ وہی ہو ہوگی، وہ وہی مزہ ہوگا۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”کافی کا مزہ تو ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر بھائی
 صاحب حقے کے پانے کے مزے کا آپ نے کوئی تجربہ کیا؟“

منشی جی نے کہا۔ ”صاحب میں حقہ تو پیتا ہوں اور اتنا انداز ہر حقے

موقع نہ دیا۔ ان حضرت نے لاکھ پہلو بد لے۔ لاکھ چاہا کہ ہم یہاں سے نکل جائیں مگر ہم نہ کھسکے۔ آخر ہاشم سے ان کی یہ کھلی نہ دیکھی گئی اور اس نے جہاں آرا سے کہا۔ ”میرے پاپ کا تمہا کو ختم ہو گیا ہے۔ مال تک جانے کے لئے دس منٹ کی اجازت چاہتا ہوں۔“

جہاں آرا سے پہلے شفقت بول اٹھے۔ ”مولانا اگر آپ بھی جا رہے ہوں تو میرے لئے دوکان سے سگار کا ایک بکس لیتے آئیں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”حضرت جب دوکان ایک ہی ہے تو دوسرے آدمی کو جانے کیا ضرورت ہے؟ یہ خدمت تو میں بھی انجام دے سکتا ہوں۔“

جہاں آرا نے ہاشم کو گھورا مگر میں نے فوراً ہاشم کی حماقت کی تلافی کر دی۔ ”ہاں بھی تم ہی لیتے آنا۔ مجھے ابھی نماز بھی پڑھنا ہے۔“

یہ کہہ کر ہم دونوں حسب معمول کھانے کے کمرے میں آ گئے جہاں نزہت نے ٹی کوزی اٹھا کر چائے بنا دی۔ ادھر شفقت نے جہاں آرا سے پوچھا۔

”یہ آخر آج کہاں جا رہی ہیں آپ؟“

جہاں آرا نے بیزار سی سے کہا۔ ”کیا بتاؤں مصیبت میں جان ہے۔ جی چاہے یا نہ چاہے مگر جاؤں ضرور ان کے ساتھ کھانے پر۔“ ان کی بیہودہ مشک باتیں سننے اور سوکھے ٹھنڈوں سے کان کے پردے اڑوانے پولیس لائن میں ڈنر ہے۔“

شفقت نے کہا۔ ”مصیبت یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ ملنے کا نام ہی

(۲۲)

جہاں آرا اور ہاشم کو صبح ہی نزہت نے رات کے کھانے پر مدعو کر لیا تھا بلکہ ہاشم سے سخت لڑائی بھی ہوئی تھی کہ وہ حضرت پولیس لائن کے کسی کھانے کو منظور کر چکے تھے۔ بہر حال یہ معرکہ نزہت نے سر کر لیا اور ہاشم سے وعدہ لے لیا کہ وہ اپنے محکمہ جاتی کھانے پر نہ جائیں گے اور یہاں آئیں گے۔ چنانچہ اس وعدہ کے بعد مٹی جی کو تو کھانے کے اہتمام پر لگا دیا گیا اور ہم دونوں حسب معمول کالج بھی گئے اور کالج سے واپسی پر شفقت کو کتب غم دل کی حاضری بھی دلوئی جہاں وہ اب تک بقول غالب یہی سبق پڑھ رہے تھے کہ ”رہنت گیا اور بود تھا“ مگر آج ہاشم نے اور میں نے ان حضرت کو تنہائی کا زیادہ

نہیں لیتے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”آپ بھی تو بغیر مولانا کے جیسے ڈرتے ہوں۔
یہاں آتے ہوئے۔“

شفقت نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ بات نہیں ہے مگر میں یہ چاہتا
ہوں کہ ہماری یہ ملاقاتیں فی الحال بے لوث سمجھی جائیں۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”فی الحال سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ خدا
کے لئے بتائیے تو سہی کیا آپ کے ذہن میں مستقبل کے لئے امید کی کوئی
کرن ہے؟“

شفقت نے کہا۔ ”ناممکن تو دنیا میں کوئی بات نہیں مگر پولیس کا
معاملہ ہے۔“

باوجود نہایت مشاق اداکارہ ہونے کے ہم نے محسوس کیا کہ جہاں آرا
نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کر کے آنچل سے اپنا منہ چھپا لیا تو شفقت نے
کہا۔ ”تم اس قدر مایوس ہو کر بات بات پر رونا کیوں شروع کر دیتی ہو؟“

اور اب جو جہاں آرا کو ہنسی آئی ہے تو شفقت واقعی یہ سمجھا کہ بے
چاری ہچکیاں لے لے کر رو رہی ہے۔ چنانچہ اس نے گھبرا گھبرا کہنا شروع کیا
حوصلے سے کام لو جہاں آرا۔ اس طرح تمام راز کھل جائے گا۔ مولانا نماز
پڑھ کر آتے ہی ہوں گے اپنے کو سنبھالو اور خدا سے ہر امید رکھو۔ وہ بڑا مسبب
الاسباب ہے۔“

جہاں آرا نے اسی طرح آنچل سے منہ چھپائے چھپائے کہا۔ ”نہ

جانے کیا بات ہے کہ میں جب تمہیں خواب میں دیکھتی ہوں جھکڑی پہنے
دیکھتی ہوں۔“

شفقت نے کہا۔ ”بس اتنی سی بات سے پریشان ہو۔ حالانکہ ان
خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم مجھ کو گرفتار کر چکی ہو۔“
جہاں آرانے ہنسی سے بے قابو ہو کر بالکل رونے کی آواز میں کہا۔
”چکی چیتا ہوا بھی دیکھا ہے۔“

شفقت نے کہا۔ ”ٹھیک ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں جدوجہد
سے غافل نہیں ہوں۔“

جہاں آرا نے بمشکل اپنے کو قابو میں لا کر کہا۔ ”میری جان تو ہر وقت
سولی پر ہے مگر تمہارا کیا حشر ہوگا؟ وہ ٹھہرے پولیس آفیسر نہ جانے کیا کر
گزر رہے تمہارا قصور لے کر جب ان کی وردی پہنے ہوئے تصویر کے سامنے
جاتی ہوں تو یہ حال ہوتا ہے کہ۔“

ان کی تصویر سامنے رکھ کر

تیرا انجام سوچتی ہوں میں

شفقت نے کہا۔ ”سب ٹھیک ہو جائے گا اللہ مہربان ہے۔ ہر بار تہ کا
ایک وقت ہوتا ہے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”اور اب کیا وقت ہے۔ سارے چھپ چھپ کر
آفت مچائیں گے میں ذرا منہ دھوؤں۔“

جہاں آرا کے اچھتے ہی میں وہاں پہنچ گیا اور شفقت سے چپنے کی

صلاح لی۔ چنانچہ شفقت نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا میں تو تیار ہوں۔
مگر ہاشم صاحب سگار تو لے آئیں۔“

چنانچہ ہاشم نے آتے ہی نکاسا جواب دے دیا کہ ”صاحب آپ کو سگار تو اب کراچی سے غالباً منگنا پڑیں۔ یہاں تو ہیں نہیں کسی کے پاس۔“
شفقت نے کہا۔ ”یہ برا ہوا۔ بہر حال مجبوری کا نام شکر ہے۔ پانپ نکال لوں گا میں بھی۔ بہر حال اب اجازت دیجئے۔ آپ کو بھی کھانے پر جانا ہے اور مجھے بھی کام ہے۔“

ہاشم نے کہا۔ ”کیا شعر یاد دلایا ہے آپ نے۔“
سوت نے جھگڑا چکایا نزع کا ہنگام تھا
مجھ کو بھی جانے کی جلدی تھی انہیں بھی کام تھا
لہذا خدا حافظ۔“

ان حضرات کو پہونچا کر میں نے واپس آکر ہاشم۔ جہاں آرا اور نزہت کو ہنسی سے بے قابو پایا۔ یہ تینوں تو خیر آپس میں باتیں کر کے ہنسے ہوں گے میں تو تنہا ہی ہنستا ہوا آ رہا تھا کہ کہتی ہے کہ جب خواب میں دیکھتی ہوں جھکڑی پہنے دیکھتی ہوں اور کس بے بسی سے کہا ہے کہ چکی پیستا بھی دیکھا ہے۔ یہاں بھی ذکر تھا اور نزہت ہنسی سے بے قابو ہو کر کہہ رہی تھی۔

”سچ مجھے یہ کمال ہے جہاں آرا آپ کہ آپ کو ہنسی نہیں آتی“
ہاشم نے کہا۔ ”اور آتی ہے ہنسی تو رونا معلوم ہوتی ہے۔“

جہاں آرا نے مجھ سے کہا۔ ”آپ کہئے آپ سے کیا کہہ رہا تھا میرا

مریض غم“

میں نے کہا۔ ”مجھ سے صرف یہی کہا ہے کہ شاید کل میں یہاں نہ آسکوں اس لئے کہ مجھے ایک صاحب نے وقت دے رکھا ہے۔“
جہاں آرا نے کہا۔ ”اچھا اچھا سمجھی میں۔ میں نے جو اس سے کہا ہے کہ آپ کو تنہا آگے ڈر لگتا ہے تو اب وہ کل غالباً اکیلا ہی آئے گا۔“
میں نے کہا۔ آپ ہی نہیں سمجھی ہیں میں بھی سمجھ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی اس سے کہہ دیا ہے کہ کل تو شاید میں بھی نہ آسکوں۔ اس لئے کہ مجھے کالج کی ایک تقریب میں شرکت کرنا ہے۔“

نزہت نے کہا۔ ”یہ تو برا ہوا۔ اب گویا کل ہمارے لئے اس ڈرامے کا کنٹرول رہے گا۔“
جہاں آرا نے کہا۔ نہیں! میں اس کے آتے ہی فون جو کروں گی تم کو

بغیر تم لوگوں کے لطف ہی کیا ہے اس ڈرامے کا۔“
ہاشم نے کہا۔ ”اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم کو اس بیچارے کے حال زار پر رحم بھی آتا ہے یا نہیں؟“

جہاں آرا نے کہا۔ ”لیجئے گھوڑا دانہ گھاس سے دوستی کرے تو کھائے کیا۔ مجھ کو ان لوگوں پر رحم آنے لگے تو لطف ہی کیا۔“

ہاشم نے کہا۔ ”مجھ کو تو محبت کی یہ اداکاری کرتے کرتے واقعی پیار آنے لگتا۔ اگر میں ہوتا تمہاری جگہ۔“

جہاں آرا نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”لو اور سنو میں جو تم کو ہاشم کے

بجائے ہشو کہتی ہوں تو کچھ سمجھ بوجھ ہی کر کہتی ہوں۔“

میں نے نزہت سے کہا۔ ”نزہت یہ مذاق نہیں ہے۔ یہ حضرت کا لُج میں واقعی ہشو کہلاتے تھے اور یہ نام ان ہی کا رکھا ہوا تھا جہاں آرا کا۔“

نزہت نے کہا۔ ”اور آپ کیا کہلاتے تھے کُج میں؟“

ہاشم نے کہا۔ ”کون؟ یہ مولانا آپ نے ان کا نام مولانا رکھ دیا ہے مگر کُج میں یہ مرشدی کہلاتے تھے ان کا ماہانہ عرس ہوا کرتا تھا جس میں تمام حلقہ بگوش شرکت کرتے تھے تو الیاں ہوتی تھیں۔ لنگر جاری کیا جاتا تھا یہ تو کُج کے زمانے سے نمازی پر ہیز گاریں۔“

نزہت نے کہا۔ ”یعنی اپنے عرس میں یہ خود بھی شرکت کرتے تھے۔“

ہاشم نے کہا۔ ”جی ہاں! عقیدہ یہ تھا کہ حضرت کا وصال تو ہو چکا ہے مگر چونکہ ایسے برگزیدہ لوگ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ لہذا یہ ہم کو زندہ نظر آ رہے ہیں۔ حضرت کے دستِ حق پرست پر پہلی بیعت تو میں نے ہی کی تھی۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”کچھ خبر بھی ہے کیا بجائے۔“

سب تیار تو تھے ہی ایک ہی گاڑی پر چاروں روانہ ہو گئے اور ہاشم نے اپنے ڈرائیور سے کہہ دیا کہ پیچھے پیچھے وہ بھی گاڑی لے آئے۔“

(۲۳)

جج صاحب نے تو واقعی اچھی خاصی دعوت کا انتظام کر چھوڑا تھا۔ حد یہ ہے کہ خود بھی باقاعدہ ہی طور پر ڈزجیکٹ میں تھے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ فشی اتیار علی صاحب کو بھی سیاہ شیر وانی پہنا رکھی تھی۔ چچی جان بھی نہایت پر تکلف لباس میں تھیں اور ایک صوفے پر رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے ہاشم اور جہاں آرا کو سب سے ملایا۔ اور خود چند منٹ کی اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گیا کہ کہیں ان دلچسپیوں میں عشا کی نماز ہی گول نہ ہو جائے۔ مگر اب جو نماز پڑھ کر آئے ہیں تو یہاں رنگ ہی کچھ اور تھا۔ نزہت غالباً کھانے کی میز ٹھیک کرانے لگی ہوئی تھیں اور باقی سب کچھ ایسی گفتگو کر رہے تھے کہ جج صاحب حیرت سے منہ کھوئے بیٹھے تھے۔ چچی جان بجائے صوفے میں دھنسنے کے ابھری ہوئی بیٹھی تھیں۔ فشی جی سوالیہ نشان بنے تشریف فرما تھے۔ البتہ

اجازت میاں پر چونکہ کبھی کسی تاثر کا کوئی رنگ نہیں آتا۔ لہذا وہ صرف برخوردار بنے بیٹھے تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی نج صاحب نے کہا۔

”کیوں بھی مولانا۔ یہ حرکت کی تم نے۔ یعنی تم تو چھپے رستم نکلے۔“
 فشی جی نے کہا۔ ”العجب ثم العجب“

چچی بولیں۔ ”واقعی مولانا بیٹے کمال کر دیا تم نے اور تم سے زیادہ بے بی نے۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”مگر ہاشم میاں وہ لونڈا سخت لوفر ہے۔ چھٹا ہوا ایڈیٹ اس کو آپ ہرگز منہ نہ لگائیں۔“

اور میں اب سمجھا کہ ان دونوں نے شفقت کا بھانڈا یہاں آ کر پھوڑ دیا ہے۔ یہ دراصل اپنی ہی غلطی تھی کہ ہاشم اور جہاں آرا کو منع نہ کیا کہ شفقت کا کوئی ذکر وہاں نہ کریں۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مجبوراً بے حیائی کی ہنسی منس کر کہا۔

”آپ لوگوں کو اس صیغے کی اطلاع اس لئے نہیں دی کہ آپ اس کی اجازت نہ دیتے۔ حالانکہ وہ حضرت اس قابل ہرگز نہیں ہیں کہ ان کی کسی بات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ ان دونوں سے پوچھ لیجئے کہ وہ تو قابل رحم حد تک بیوقوف واقع ہوئے ہیں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”نبایت اتلی در سب کے بیوقوف۔ اس صنعت کے آخری شاہکار۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”تو کیا بے بی بھی اس تماشے میں حصے لے رہی ہے کچھ۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”جی نہیں۔ نزہت بہن کی تو اس کو خبر بھی نہیں کہ وہ ہمارے گھر موجود ہوتی ہیں۔ البتہ نزہت بہن ایک دوسرے کمرے میں بیٹھ کر اس کا تماشہ ضرور دیکھتی ہیں۔“

چچی نے کہا۔ ”مگر بیٹی تم اس کو صرف بیوقوف ہی نہ سمجھو۔ وہ بڑا خطرناک بھی ہے۔“

ہاشم نے کہا۔ ”جی پولیس سے زیادہ خطرناک نہیں ہو سکتا۔ اس طرف سے اطمینان رکھئے۔“

میں اسی وقت نزہت نے آ کر سب کو کھانے کے کمرے میں چلنے کو کہا۔ ”نج صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ڈارلنگ آج تمہاری چوری پکڑی گئی اور اس لفٹ کے ساتھ جو کھیل ہو رہا ہے اس کا پتہ چل گیا ہم کو۔“

نزہت نے ایک دم چونک کر کہا۔ ”مولانا کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ مجھ سے تو کہا ابھی نہ کہن کسی سے اور خود بتا دی یہ بات سب کو۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”بھئی انہوں نے نہیں بتائی بلکہ چونکہ تم دونوں نے ہم کو جمع کیا تھا۔ لہذا یہ بات ہم چھپڑ بیٹھے۔“

نج صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”چوریوں بہر حال کھل ہی جاتی ہیں

اور عموماً پولیس کے ذریعے کھلتی ہیں۔“

اسی قسم کی باتیں کرتے ہم سب کھانے کی میز پر آگئے جو دہن کی طرح بجی ہوئی تھی۔ منشی جی نے دیسی گھانے تیار کرانے میں واقعی بڑے سلیقے کا ثبوت دیا تھا۔ بریانی کی اشتہا اور خوشبو سے کمرہ مہکا ہوا تھا۔ سرخ چٹیوں والے مرغن پر انھیں اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ بھاپ نکالتے ہوئے تیخ کے کباب پیاز کے پھوسوں میں سجے ہوئے اپنی خاص کشش رکھتے تھے۔ میں نے اور جہاں آرانے ایک ساتھ مچھلی کو دیکھا ہی تھا کہ جہاں آرا کہہ اٹھی۔

”ہاشم ذرا یہ مچھلی دیکھو۔ سچ مچ معلوم ہوتا ہے زندہ مچھلی رکھی ہو۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”بھئی یہ ہمارے بھائی صاحب کی رکاب دارانہ کرامت ہے۔“

ہاشم نے غور سے مچھلی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا اچھا۔ پستے اور بادام سے اس کی کھال بنائی گئی ہے۔“

اور یہ سننا تھا کہ منشی جی شروع ہو گئے۔ صاحب ایف ن تو دراصل اب ختم ہی ہو چکا ہے۔ ورنہ رکاب دار تو نہ جانے کیا کیا کمال دکھایا کرتے تھے کہ پہلے پلیٹ میں رکھی ہوئی چیز کھائے۔ پھر پلیٹ بھی کھائے اور آخر میں دسترخوان بھی نوش فرما جائے۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”کیا مطلب؟ دسترخوان کون کھا سکتا ہے بھلا؟“

نچ صاحب نے کہا۔ ”بھئی دراصل شکر یعنی کھاند کا بنا ہوا ہوتا تھا۔“

رکاب دار اسی قسم کے شعبدے دکھایا کرتے تھے مگر سوال یہ ہے کہ بھائی صاحب کو یہ مچھلی بنانا کہاں سے آگیا۔“

منشی جی نے کہا۔ ”نخور رکاب دار اپنے ہی محلے کا تو تھا عجیب چیزیں بنایا کرتا تھا۔ یہ مچھلی بنانا میں نے اسی سے سیکھا ہے۔“

ہاشم نے کہا۔ ”تو اب اس کو تیرا نا چاہئے معدے کی جانب۔“

نچ صاحب نے چھری بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ہاں شروع کرونا۔“

بھئی یہ تو خانہ بے تکلف ہے اور تم لوگ تو اپنے ہی بچے ہو۔“

منشی جی نے خود پکایا ہو یا پکویا ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ کھانا بے حد لذیذ تھا ہر چیز اپنا جواب آپ ہی تھی۔ خصوصاً روٹنی پر انھوں نے ساتھ تیخ کے کباب تو لطف ہی دے گئے۔ کئی مرتبہ ہاشم کو اس طرف متوجہ کیا مگر ان حضرت کو

کریلوں نے ایسا اپنا گرویدہ کیا تھا کہ وہ چھوڑتے ہی نہ تھے۔ کرلیے جہاں آرا بریانی میں مصروف تھیں۔ اور منشی جی کا یہ حال کہ وہ چاہتے تھے کہ سب

لوگ تھوڑی تھوڑی ہر چیز چکھ کر ان کو داد دے دیں۔ چنانچہ کبھی وہ ایک ڈونگا بڑھاتے کہ: یہ کھیری گردے تو نوش فرمائے۔ کبھی دوسرا ڈونگا بڑھاتے کہ:

”بھئی یہ لیجئے نامرنجان مرنج۔“

ہاشم نے کہا۔ ”یہ کیا چیز ہے مرنجان مرنج۔“

منشی جی نے کہا۔ ”یہ نواب نصیر الدین حیدر کے دسترخوان کا خاص

تورمہ ہے جس کا شاہی نام مرنجان تھا۔“

جہاں آرانے ایک طرف سے نعرہ بلند کیا۔ ”ہائے یہ قیرہ بھری پہاڑی
مرچیں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”بس صاحب ان کو تو مل گیا ان کا من بھاتا کھا جا اب
یہ کچھ اور نہیں کھا سکتیں۔“

سب اسی طرح اپنی اپنی پسند کی چیزیں لیتے اور کھاتے رہے۔
سوائے اعجاز میاں کے جو چوتھی کی دہنوں کی طرح پلیٹ میں ایک بیئر رکھے
غالباً اس سے شرف تلمذ حاصل کر رہے تھے۔ کھانا ختم ہونے کے بعد بیرے
نے سویٹ ڈش پاس کرنا شروع کی۔ یہ پیلی پیلی خوش رنگ نارنگیاں تھیں۔ در
اصل یہ پوڈنگ تھی جو نارنگیوں کی شکل بنا دی گئی تھی اور صرف خوبصورت ہی
نہیں بلکہ نہایت خوش ذائقہ بھی تھی۔ اس کے بعد جب واقعی فروش میں سروا
سامنے آیا تو جہاں آرانے کہا۔

”بھئی اللہ میں نہیں کاٹتی اسے یہ قوف بننے کے لئے نہ جانے یہ بھی
سروا ہے۔ یا کسی اور قسم کی پوڈنگ۔“

ہاشم نے نج صاحب سے کہا۔ ”صاحب! آپ میری دلی مبارک باد
قبول کیجئے کہ آپ کو بہت اچھے خانسماں مل گئے ہیں۔ صرف صنعت ہی نہیں
دکھاتے بلکہ مزہ بھی چکھاتے ہیں اور اپنے ملکی کھانوں کا تو کہنا ہی کیا مگر وہ تو
منشی صاحب قبلہ کے نتیجہ ہائے افکار تھے۔“

منشی جی ابھی کچھ فخر اور کچھ انکسار ہی فرما رہے تھے کہ بیرا کافی کی ترائی

لے کر گول کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ منشی جی نے اسے دیکھتے ہی کہا۔
”استغفر اللہ سارا مزہ کرکرا کرنے کا سامان کیا جا رہا ہے۔ وہی تا
معقول کافی۔“

نزہت نے کہا۔ ”خالو جان کافی کو حقے کا پانی کہتے ہیں مگر خالو جان
اعجاز بھائی کے چہرے پر رونق آ جاتی ہے کافی کو دیکھ کر۔“
نج صاحب نے کہا۔ کیوں اس بے چارے کی شامت لا رہی ہو تم۔
ارے بھئی اعجاز میاں تم نے تو آج واقعی صد کردی۔ ذرا مولانا کی پلیٹ دیکھو۔
مال گودام معلوم ہو رہی ہے۔ اب تک اور آپ نے یہ کیا کیا ہے۔ صرف ایک
جان ناتوان بیئر کی چند ہڈیاں نظر آ رہی ہیں مجھے۔“
منشی جی نے جل کر کہا۔ ”وہ کافی سے پیٹ بھریں گے نا۔ احمق جو
ٹھہرے۔“

اور ہم لوگ گول کمرے میں آ گئے۔ جہاں کافی کا دور شروع ہوا۔ اور
اس کے ساتھ وہی شفقت کا قصہ۔ آخر یہ طے پایا کہ اول تو ہم کو یہ ذرا مزہ شروع
ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔ مگر اب شروع کر دیا ہے تو باقی سب کو بھی دکھایا جائے۔
جہاں آرا اور ہاشم نے اس ذرا مے کے لئے باقاعدہ سب کو مدعو کر لیا۔“

ہی بجے ہاشم کے گھر پہنچا دیا۔ پھر کالج سے نہمت کو لا کر چھوڑ گیا اور آخر میں شفقت کو اپنے ساتھ لایا وہ حسب معمول اپنے نزدیک کیوپڈ کے تمام تیروں سے مسلح ایک خوش وضع ایونگ سوٹ میں تھے اور یہ بھی عجیب اتفاق کہ جہاں آرا بھی آج ان ہی کے سوٹ کے رنگ میں نیوی بلیو شلوار سوٹ میں تھی۔ شفقت نے اس کو دیکھتے ہی کہا۔

دیکھئے صاحب! اس کو کہتے ہیں ہمرنگی حالانکہ نہ آپ کو معلوم تھا کہ میں نیلے سوٹ میں آؤں گا نہ مجھے خبر تھی کہ آج آپ نے یہ رنگ اختیار کیا ہے۔“
جہاں آرا نے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ ذوق جو یکساں ہے ہم دونوں کا۔“
ہاشم نے کہا۔ ”مولانا یہاں تو ذوق کا ذکر چھڑ گیا ہم دونوں شیخ ابراہیم چل ہی دیں تو اچھا ہے۔“

شفقت نے رسماً پوچھا۔ ”کیا کہیں ضروری کام سے جانا ہے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ میری وجہ سے آپ بالکل تکلف نہ کریں۔ شوق سے تشریف لے جائیں۔“

میں نے کہا۔ ”ذوق کے ذکر کے بعد تکلف بھی خوب کہا۔“

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر

میں ذرا اپنے ایک خاص کام سے ان کو لے جا رہا ہوں۔ آدھ گھنٹے کی اجازت دے دیجئے۔ جب تک آپ چائے پیئیں ہم بس ابھی آئے۔“
شفقت نے کہا۔ ”ضرور ضرور۔ کام بہر حال کام ہے اور میری وجہ سے آپ خواہ مخواہ جلدی بھی نہ کیجئے گا۔ میں بالکل فارغ ہوں۔“

(۲۴)

آج ہاشم کے یہاں جج صاحب کے گھر بھر کی دعوت تھی اور دعوت بھی دوہری۔ یعنی چائے بھی اور پھر کھانا بھی۔ اس لئے کہ ان سب کو دراصل شفقت کا تماشا دیکھنا تھا اور وہ وقت ہوتا ہے چائے کا۔ مگر چونکہ اس وقت جہاں آرا خود ایک کردار ہوتی ہیں۔ لہذا وہ اپنے مہمانوں سے بالکل ہی محروم رہ جاتیں اگر رات کا کھانا نہ ہوتا۔ دوسرے مناسب یہی سمجھا گیا کہ چائے کے وقت تو دیکھا جائے یہ تماشا اور کھانے کے وقت ہو اس پر تبصرہ۔ اس تماشا کے لئے سب سے زیادہ سمجھنا پڑا منشی جی کو کہ حضور والا اس تماشے میں بہت سے سخت مقام آتے ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وجد میں آجائیں۔ ذرا اپنے کو قابو ہی میں رکھئے گا۔ اور کسی قسم کی آہٹ پیدا ہونے دیجئے گا ورنہ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ سمجھا بجھا کر میں نے جج صاحب اینڈ کمپنی کو تین

باشم نے مجھے کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔ بلکہ فارغ التحصیل اور فارغ البال تک۔“

ہم دونوں حسب معمول ایک دروازے سے نکل کر دوسرے دروازے سے کھانے کے اس کمرے میں آگئے جو اس وقت واقعی سینما ہال بنا ہوا تھا اور سب اس تماشے کو دیکھنے میں کھوئے ہوئے تھے اور ساتھ ہی ساتھ چائے نوشی بھی جاری تھی۔

جہاں آرا شفقت سے کہہ رہی تھی۔ ”آج نہ جانے کس کا منہ دیکھ کر اٹھتی تھی کہ ان کرانا کاتبین نے از خود دو گھڑی تنہا تو چھوڑ دیا۔“

شفقت نے کہا۔ ”بخدا مجھے خود سخت کوفت ہوتی ہے کہ کباب میں بڈی کی طرح یہ دونوں ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”آج جب میں بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی اور کئی مرتبہ کہہ چکی تھی کہ نہ جانے اب تک یہ دونوں کیوں نہیں آئے تو میری ساس کے لخت جگر نے کہا کہ اس شدت سے تو انتظار تم کبھی میرا بھی نہیں کرتیں۔“

اس چغندے کہا۔ ”آپ کی ساس کے لخت جگر کون؟“

جہاں آرا کو ہنسی آگئی۔ ”میری ساس کا لخت جگر کون ہو سکتا ہے؟ کبھی کبھی غور بھی کر لیا کیجئے۔“

اور یہ سن کو چچی جان کو جو ہنسی آئی ہے تو چائے کا چمچہ طشتری سے گرا زمین پر اودھنسی جی نے غیر ارادی طور پر کرسی بھی کھسکا دی جس کی آواز پر شفقت چونک پڑا مگر جہاں آرا نے نہایت بے پروائی سے بات بنادی۔ ”کوئی نہیں

میری آنٹی آئی ہوئی ہیں بہاولپور سے وہ ہوں گی یا ان کا کوئی بچہ ہوگا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ آج ان حضرت کو بھی یہ خیال آیا کہ دن بھر تو میں خاموش پڑی رہتی ہوں اور تین بجے کے بعد سے نہ جانے میرے مردہ جسم میں کہاں سے جان آجاتی ہے کہ آپ لوگوں کے انتظار کی گھڑیاں گنتی جاتی ہوں۔ کپڑے بدلتی جاتی ہوں اور چائے کے لئے ہدایت دیتی جاتی ہوں۔“

شفقت نے کہا۔ ”یہ تو گویا کچھ خطرناک سی بات ہے اگر ان کو واقعی شبہ ہو گیا تو؟“

جہاں آرا نے کہا۔ ”آج نہ سہی کل سہی۔ وہ تو آخر ایک دن ہونا ہی ہے۔ دل کے معاملات میں تو سر سے کفن باندھنا پڑتا ہے وہ آپ نے سنا ہوگا کسی کا شعر۔“

پہلی منزل ہے فنا سے رہبر در او بقا
آگے قسمت ہے تری اور ہمت مرزا نہ ہے

شفقت نے ذرا گھبراتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو ٹھیک ہے مگر ہم دونوں کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے فی الحال قدم پھونک پھونک کر رکھیں۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”پھر وہی فی الحال۔ میں تو بعض وقت اس قدر مضطرب ہو جاتی ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ جو گزرنے والی ہے وہ آج ہی گزر جائے اور واقعی جب اس امتحان سے ہم دونوں کو گذرنا ہی ہے تو آج کا یہ قصہ کل پر کیوں ٹالا جائے۔“

شفقت نے کہا۔ ”نہیں نہیں یہ ہرگز نہ کیجئے گا۔ اس طرح حالات

بیحد خطرناک ہو جائیں گے۔“

جہاں آرانے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”دیکھو نا شفقت اس آزمائش سے ایک نہ ایک دن ہم کو گذرنا ہی پڑے گا آخر۔“

شفقت نے بات کاٹ کر کہا۔ ”میں چاہتا یہ تھا کہ کوئی صورت ایسی نکل آئے کہ کسی امتحان اور آزمائش میں نہ پڑتے ہم اور کام نکل جاتا یعنی سانپ بھی مر جاتا اور لاشی بھی نہ ٹوٹی۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”کیا مطلب یعنی اب تم آزمائش سے کترار ہے ہو۔“

شفقت نے کہا۔ ”بخدا یہ غلط ہے میں گھبرانے والا ہرگز نہیں ہوں۔ مگر ذرا عقل سے کام لے کر غور کرو کہ وہ اسی شہر میں پولیس کے ایک صاحب اقتدار افسر ہیں اور وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”یہ تو تم کو پہلے سے معلوم تھا اگر پولیس سے ایسا ہی ڈرتے تھے تو مجھ کو اس دلا کر اتنی دور کیوں لے گئے جہاں سے میں اب لوٹ بھی نہیں سکتی۔“

شفقت نے کہا۔ ”تو میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ تم لوٹو۔ البتہ اب ہم دونوں کو ذرا عقل مندی سے کام لینا چاہئے۔“

جہاں آرانے بڑی معصومیت سے کہا۔ ”فرض کر لو کہ میں نے عقل مندی سے کام لے بھی لیا مگر تم؟“

شفقت نے بڑی مستعدی سے کہا۔ ”میں بھی عقل مندی سے کام

لوں گا۔“

جہاں آرانے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ ”میں لے سکتے عقل سے کام تم شفقت محبت جنون کا نام ہے۔ عقل کا نہیں اور مجھ کو کم بخت نے چونکہ تم میں عقل سے زیادہ جنون کی صلاحیت دیکھتی تھی۔ لہذا میں تم سے اس قدر قریب آگئی۔“

شفقت نے کہا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے مگر مصیبت یہی ہے کہ فی الحال یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ ذرا اپنے دلوں کو ہمیں قابو میں رکھنا چاہئے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”آخر کیوں؟ جب میں ہر آنے والی مصیبت کے خیر مقدم کے لئے تیار ہوں تو تم کیوں پس و پیش کر رہے ہو؟“

شفقت نے عاجز آکر پہلو بدلے۔ ٹائی درست کی اور بمشکل کہا۔

”اچھا کم سے کم اتنا انتظار تو کر ہی لو کہ ان کا یہاں سے کہیں اور تبادلہ ہو جائے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ دریا میں رہ کر مگر مجھ سے پیر عقل مندی کی بات نہیں ہے۔“

جہاں آرانے منہ پر آنچلار کھڑکھا۔ ”ہائے اللہ پھر تم نے عقل کا نام لیا۔ تم عقل کے پیچھے کیوں لاشی لئے پھرتے ہو؟“

اور اب ہم تمہا شایوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ منہ پر قابو رکھ سکتے۔

اپنے سے زیادہ ذرا نشہ جی اور چچی جان سے تھا۔ بہر حال میں نے ہاشم کو باہر ہسٹا اور ہم دونوں اس کمرے سے نکل کر برآمدے میں دانستہ ذرا اونچی آواز میں باتیں کرتے ہوئے گول کمرے کی طرف چلے تاکہ یہ ذرا منہ ختم کرنے کا

ان دونوں کو موقع مل سکے ہاشم نے گول کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”کہئے شفقت صاحب ہم لوگوں نے دیر تو نہیں کی۔“

شفقت نے کہا۔ ”جی بالکل نہیں بلکہ غالباً آپ لوگ جلد ہی واپس

آگئے۔ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ جلدی کی چنداں ضرورت نہیں۔“

میں نے کہا۔ ”ان حضرات کو تو بیوی کا عارضی سافراق بھی پریشان

کر دیتا ہے کہنے لگے کہ وہ واداس ہو گئی ہوں گی؟“

جہاں آرا نے منہ بنا کر کہا۔ ”ہی اور کیا۔ عجیب عجیب غلط فہمیاں

گھیرے ہوئے ہیں ان حضرات کو۔ حالانکہ میں تو خدا سے چاہتی ہوں کہ یہ

دور ہی دور رہیں۔“

ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔ ”آخر واقعی تم یہ چاہتی ہو تو تم کو صاف

صاف کہہ دینا چاہئے میں خود کچھ دنوں سے تمہاری اس بیزاری کا اندازہ کر

رہا ہوں۔“

شفقت نے جہاں آرا کی طرف سے صفائی پیش کرنا چاہی مگر میں

نے اس کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”کہ حضرت میاں بیوی کے معاملے میں ہونا

غلط ہے۔ صرف ان کو اس قسم کے موقعوں پر تنہا چھوڑ دینا چاہئے۔ لہذا ہم

دونوں آپ چلیں۔“ اور یہ کہہ کر میں ان کو پہنچانے چلا گیا۔

(۲۵)

شفقت کو پہنچا کر جب میں واپس آیا ہوں تو برآمدے ہی سے گول

کمرے کے گونچے ہوئے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ چنانچہ کمرے میں آکر

میں نے ہاشم اور نزہت کو ہنسی سے بے حال پایا۔ چچی جان بھی معلوم ہوتا تھا

بہت ہنس چکی تھیں اور آنسو پونچھ کر بہ رہی تھیں۔

”تو یہ ہے جان نکال لی اس نرکی نے۔ زندگی بھر نہ اتنی ہنسی کبھی آئی نہ

ہنسی کو کبھی اتنا روکا۔“

منج صاحب نے مجھے دیکھ کر کہا۔ ”بھئی مون بالطف آگیا۔ ونڈر فل۔

یہ تو واقعی نہایت اچھا جواب تھا شاید کھایہ تم نے۔ اور چچی بات یہ ہے کہ میں قائل

ہوں جہاں آرا کا۔ بھئی یہ تو بہت اونچے درجے کی آرٹسٹ ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”یہ تو آرٹسٹ ہیں مگر شفقت میاں کا بھی کوئی جواب

ہے۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”وہ تو بنا بنا یا گدھا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ کپڑے تو سب میرے یہاں چھوڑ کر بھاگا ہے۔ یہ اس کے پاس اتنے قیمتی سوٹ کہاں سے آگئے۔ سنا ہے کہ روز ایک جوڑا بدل کر آتا ہے۔“

چچی نے کہا۔ ”کیا باتیں کر رہے ہیں آپ بھی اس کے نام سے بنک میں خود ہی تو اکاؤنٹ کھولا ہے اور خود ہی یہ سوال کر رہے ہیں۔“

نچ صاحب نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ ”آئی سی۔ اچھا اچھا یہ اس روپیے پر پانی پھیر رہا ہے۔ بھئی وہ اس کے باپ کا روپیہ تھا میں اسی کے نام جمع کر سکتا تھا اب وہ جو چاہے کرے مجھ سے کیا مطلب مگر سخت ایڈیٹ واقع ہوا ہے اور پالا پڑا ہے ایسی ماہرین سے جو ان کو چرا کر چھوڑ دے۔ بابا میرا تو ہنسی روکتے روکتے برا حال ہو گیا۔ ایک طرف میں یہ تماشا دیکھتا تھا اور دوسری طرف بھائی صاحب کے حیران چہرے پر نظر جاتی تھی۔ تو برا حال ہو جاتا تھا میرا۔“

منشی جی نے کہا۔ ”کیوں بھئی مولانا یہ حیرت کی بات تھی یا نہیں کہ یہ صاحبزادی کیسی مطابق اصل نقل اتار رہی تھیں۔ بھئی میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ایمان کی پوچھو تو وہ تو خیر شفقت ہے۔ بخدا اگر کوئی عورت مجھ سے اس قسم کی باتیں کرے تو اپنے کو بے وقوفی سے بچانا سخت مشکل ہو جائے۔“

نچ صاحب نے ہنس کر کہا۔ ”یعنی اب بھی میرا مطلب یہ ہے کہ بھائی

صاحب کہ اس عمر میں بھی۔“

منشی جی نے اپنی بساط سے اونچی بات کہہ دی۔ ”برادر مہمبت اور حماقت کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ عورت کا جھوٹا یا سچا ذرا سا التفات اچھے اچھوں کا بیڑا غرق کر سکتا ہے۔ غلط فہمی پیدا ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاں کوئی غلط فہمی پیدا کرنے والا ہوا ان صاحبزادی کی قسم کا۔ میں تو بھئی سچی بات کہتا ہوں۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ میں شفقت کو اس معاملے میں زیادہ قصور وار نہیں ٹھہراتا۔ ان صاحبزادی نے کیا نام ہے ان کا جہاں آرا۔ جد ہی تو کر دی۔“

ہاشم نے کہا۔ ”مگر صاحب! مجھ کو بار بار وہ شعر یاد آ رہا تھا کہ
دھمکی سے مر گیا جو نہ باب بنرہ تھا
عشق بنرہ پیش طلب گار مرد تھا
میں نے کہا۔ ”بلکہ غالب کی اسی غزل کا دوسرے شعر بھی اسی سلسلے میں پڑھو کہ

تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر ہی مرا رنگ زرد تھا
چچی نے کہا۔ ”ہاں ذرا صاحبزادے کی ہمت تو دیکھو کہ ارادے تو یہ ہیں اور پولیس سے دم بھی لگا جاتا ہے۔“

ہاشم نے کہا۔ ”صاحب میرے لئے وہ موقع نہایت سخت تھا۔ جب انہوں نے سب سے بڑے انداز سے کہا۔ کہ تم سے گم اتنا انتظار تو کر ہی او

کہ ان کا یہاں سے نہیں اور تبادلہ ہو جائے۔ دریا میں رہ کر مگر مجھ سے ہر غفلت نہ دی نہیں ہے۔“

بیج صاحب نے کہا۔ ”مگر جہاں آرا کا پھر یہ کہنا اور کس انداز سے کہنا کہ ہائے تم نے پھر عقل کا نام لیا۔ بھئی میں داد نہیں دے سکتا۔ صاحب مجھ کو اقرار کرنا چاہئے کہ میں نے اتنا دلچسپ تماشا آج تک کبھی نہیں دیکھا۔“
 فشی جی بولے۔ ”مگر آپ لوگ اس تماشے کی صرف دلچسپیوں پر نہ جائیے۔ آپ نے اس مردود کا وہ فقرہ سنا تھا کہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ سانپ بھی مر جاتا اور لالٹھی بھی نہ لٹوتی۔“

ہاشم نے ہنس کر کہا۔ ”معاف کیجئے گا۔ سانپ اس قسم کے بنا سیتی سپیروں کے لڑکا نہیں ہے کہ ان کے ہاتھ سے مرنا قبول کر لے۔ یہ سانپ تو لالٹھی ان پر توڑ سکتا ہے۔ قبیلہ و کعبہ پولیس تو وہ سانپ ہے جس کے کالے کا منتر ہی نہیں۔ خدا نہ کرے کہ پولیس کو سانپ بننا پڑے۔“

بیج صاحب نے کہا۔ ”یہ تو درست ہے برخوردار۔ مگر خدا بے وقوف دشمن سے بھی بچائے رکھے۔ حالانکہ تم سے ڈرنے میں وہ بے وقوفی کا نہیں بلکہ غفلت نہ دی کا تصور اہست ثبوت دے رہا ہے۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”یہی تو ایسا دکھتی ہوئی رگ ان کی ہاتھ آگئی ہے اور آئندہ اسی سے سہا سہا کر میں ان کا خون خشک کرتی رہوں گی۔ آج آپ نے اندازہ نہیں کیا کہ ہاشم بھی گویا آج ہی سے اس ڈرامے کے ایک کردار

بن گئے ہیں۔ اب میری اور ان کی کھلی ہوئی جنگ ہوگی۔ پھر دیکھئے کہ اس عاشق ناشاد کا کیا حال ہوتا ہے۔“

چیچی نے کہا۔ ”عاشق و عاشق وہ خاک بھی نہیں ہے۔ آج تمہاری جگہ اس کو کوئی اور بے وقوف بنائے والی مل جائے، وہ اسی پر لٹو ہو جائے گا۔“
 میں نے کہا۔ ”جی نہیں چیچی!! اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کو کبھی ہی نہیں ہیں وہ خود تھوڑی عاشق ہو جایا کرتا ہے اس کو تو خیال یہ ہے کہ یہ لڑکیاں خود اس پر مرتتی ہیں۔“

فشی جی نے نقلی دانت چیس کر کہا۔ ”جی اور کیا شفت لو کی تو قطع ہے صاحبزادے کی مگر یہ غلط فہمی اکثر نوجوانوں کو ہوا کرتی ہے اب بچوں کے سامنے میں کیا کہوں۔ اللہ معاف کرے۔ یہ دور ہم پر بھی گزر چکا ہے۔“

چیچی نے کہا۔ ”وہ مہتاب والا دور تو نہیں بھائی صاحب!“
 فشی جی نے اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیر کر غماز فہمی ہنس کر کہا۔

”استغفر اللہ کیا نام یاد دلایا ہے ہو تم بھی بڑی شریر۔ مگر بھئی وہ قصہ تو کچھ اور ہی تھا۔ مہتاب بری تھی یا بھلی مگر کس کو نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ تو خود میں نے بے وفائی کی۔“

بیج صاحب نے کہا۔ ”مختصر یہ کہ بہت سی چاندنی راتیں آپ پر بھی گزر چکی ہیں۔“

چیچی نے کئی آنکھیں سے بیج صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کن پر نہیں

”بھئی عجیب و غریب لڑکی ہے۔ فخرے بازی میں تو جواب نہیں دے۔ وہ جواز کیوں میں ایک خواہ خواہ کی جھجک اور جھپک ہوتی ہے۔ اس کا تو کوسوں پتہ ہی نہیں اور اگر سچ پوچھو تو اس تمام مجمع میں وہ بات اگر کسی کی نظر آتی ہے تو ہمارے عزیز مسلمہ میں اعجاز میں نظر آتا ہے۔ ذرا ملاحظہ ہو۔ پورا رومال منہ میں ٹھونسے چھوٹی سوئی کا پودہ بنے بیٹھے ہیں۔“

اعجاز کو دیکھ کر ایک مرتبہ سب کو پھر ہنسی آگئی جہاں آرائے کہا۔
”واقعی یہ بہت شرمیلے بہو بیٹیوں کے سے ہیں۔“

منشی جی نے بڑے فخر سے کہا۔ ”خاص جزائی یہ نتیجہ ہے میری تربیت کا۔“

جہاں آرائے کہا۔ ”تو کیا آپ نے ان کو کسی گڑبگڑ کا لٹ میں تعمیر دلوائی ہے۔“

شکر ہے کہ منشی جی یہ بات نہ سمجھے اور نہ بہت نے آنکھ کے اشارے سے جہاں آرا کو منع کر دیا ورنہ وہ اب اعجاز اور منشی جی کی طرف متوجہ ہو جاتیں تھیں۔ اس کے علاوہ ہاشم نے سب کو کھانے کے کمرے میں بلا کر یہ بحث ہی ختم کرادی۔“

گذرتیں۔ وہ موٹی فرنگن کون تھی ایڈنا جھاڑو پھری پچھلی پیری۔“
منج صاحب نے گھبرا کر کہا۔ ”خیر خیر وہ تو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بہر حال ہاں تو ہاشم میاں اب گویا تمارے تادلے کا انتظار ہوگا۔“
منج صاحب کے اس گھبرانے اور گھبرا کر گفتگو کا موضوع بدلنے پر سب ہی کو بے ساختہ ہنسی آگئی تو منج صاحب نے پھر کہا۔

”بچوں کے سامنے ایسی لغو باتیں نہیں کیا کرتے۔“
منشی جی نے کہا۔ ”جی بس رہے بھی دیجئے۔ بچے عشق و محبت کا جیتا جاگتا نامک ابھی دیکھ چکے ہیں۔ آج کل کے بچے کیا نہیں جانتے؟ اور سچ تو یہ ہے کہ کب کے بچے کیا نہیں جانتے تھے۔“

ہاشم نے منشی جی کو اور بھی شبہ دیتے ہوئے کہا۔ اب ان ہی کو دیکھ لیجئے۔ اس ڈرامے کی ہیروئن کو یہ تو کانچ کے زمانے سے اس قسم کے جانور خواہ خواہ پالتی چلی آرہی ہیں۔ جب ان کی شادی تک نہیں ہوئی تھی۔
جہاں آرائے معصومیت سے کہا۔ ”مذاق کی دوسری بات ہے۔“

سنجیدگی سے تو صرف ایک ہی جانور پالا تھا۔“
اس پر ایک زبردست قہقہہ پڑا اور ہاشم اس بھرپور چوٹ کی تاب نہ لا کر کھانے کی میز دیکھنے کے بہانے بھاگا، یہاں سے منج صاحب کو البتہ جہاں آرا کی اب ہر بات بہت اچھی لگنے لگی تھی اور سب سے زیادہ وہی دلچسپی مینے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔

(۲۶)

رہا ہوں۔ منشی جی نے مجھ کو لحاف ہی میں آدھو چا اور وہ اپنا تاریخی حقد لئے نازل ہو گئے مگر میں نے ان سے صاف کہہ دیا۔ ”معاف کیجئے گا آج اتوار ہے اور اتوار کا دن بقول نزہت کے میرا یوم لحاف ہوتا ہے۔“

منشی جی نے اپنی مقررہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”شوق سے لیتو۔ غصے میں ایک دن تو آرام کا ملتا ہے۔ اگر لحاف نہ ہوتا تو آج بھی تم سے ملاقات نہ ہو سکتی۔ اب تو دو باتیں کرنے کو بھی ترس جاتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”اب تو آپ کو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ مصروفیت کیا ہے اور آتی دلچسپ مصروفیت ہے۔“

منشی جی نے کہا۔ ”وہ تو سب ٹھیک ہے مگر بھی سولانا بخدا عجیب زمانہ آگیا ہے نا صاحب کان پکڑو۔ تو بے لوث بد اس قسم کی لڑکیوں کا اپنے یہاں کہاں گذر؟ پھر ان صاحبزادے کا ساتھ جو ان لڑکیوں کے ہاتھوں ایک ہی دن میں سپر چیت بن کر رہ جائیں گے۔ ارادہ یہ تھا کہ گھر کا لڑکا ہے۔ گھر کی لڑکی ہے۔ گھر کی گھر ہی میں بات ہو جائے گی۔ مگر یہاں تو رنگ ایسا دیکھا ہے کہ دل کی دل ہی میں رہ گئی۔“

میں نے کہا۔ ”کیوں خیریت تو ہے بات کیا ہوئی؟“

منشی جی نے کہا۔ ”یار تم بھی بہت بھولے بنتے ہو۔ مولانا اور چچ پوچھو تو تم بھی بس نام ہی کے مولانا ہو۔ صاحب سیرے تو بیروں تلے کی زمین نکل گئی جب میں نے اس لڑکی جہاں آرا کو عشق عاشقی کی ایسی باتیں کرتے سنا۔

باشم کے یہاں شفقت اور جہاں آرا کا یہ رومانی ڈرامہ دیکھنے کے بعد سے منشی جی میں ایک عجیب انقلاب آچکا تھا اور وہ منج صاحب کے یہاں جس خیال سے تشریف لائے تھے اور جس نیت سے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اپنے اس خیال اور اپنی اس نیت میں ان کو ترمیم کرنا پڑی۔ شکر ہے کہ وہ اب تک مجھ سے بدعتیدہ نہیں ہوئے تھے۔ اور موقع کی تلاش میں تھے کہ مجھ کو تنہا پا کر اپنے دل کا بھید مجھ پر کھولیں۔ چنانچہ اتوار کی صبح جب میں دانستہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد پھر لحاف میں گھس جایا کرتا ہوں۔ اور اتوار کو اسی لئے نزہت یوم لحاف کہتی ہے کہ میں لحاف ہی میں گھسے گھسے ناشتہ کرتا ہوں۔ لحاف ہی میں گھسے گھسے سگریٹیں پھونکا کرتا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ نہ غسل کروں نہ دازھی بناؤں، نہ کہیں آؤں نہ کہیں جاؤں۔ صرف لحاف۔۔۔ میان و قبا باندھے پڑا

خیر وہ تو شادی شدہ ہے مگر یہ نزہت جو اس تمام شے میں اس کی برابر کی شریک ہیں بھلا یہ ڈھنگ جوان جہان کنواری لڑکیوں کے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ۔

میں نے کہا۔ ”صاحب سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ نزہت خود کالج میں پڑھ رہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ زندگی اور زندہ دلی تو خود اس میں بھی کم نہ ہوگی۔ اب اگر آجکل کی تعلیم یافتہ لڑکیوں میں آپ وہ پرانی خصوصیات ڈھونڈیں جو اگلے وقتوں کی بیٹیوں میں ہوا کرتی تھیں کہ چشم فلک بھی ان کو نہ دیکھے۔ گھر میں اس طرح رہیں کہ۔“

ہر چند کہیں کہ ہیں نہیں ہیں

کبھی کوئی آواز نہ سنے۔ اور بڑی بوڑھیاں ہر وقت ان کو ٹوکتی رہیں کہ لڑکی دوپٹہ اوڑھنے کا یہ ڈھنگ ہے۔ لڑکی بھلا یہ چال ہوتی ہے۔ بن بیانی لڑکیوں کی۔ لڑکی کیا دیدوں پانی مر گیا ہے کہ آنکھ چار کر کے بات کرتی ہے۔ تو قبلہ و عقبہ وہ زمانہ مدت ہوئی گزر گیا۔

منشی جی نے کہا۔ ”ہاں صاحب! از روئے قاعدہ ہم کو بھی اس زمانے کے ساتھ ہی گذر جانا چاہئے تھا مگر ہم یہ رنگ دیکھنے کو زندہ رہ گئے ہیں بہر حال ہم سے کیا مایاں مسعود کو اختیار ہے کہ وہ نرگس کو آزاد چھوڑ دیں۔“ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا اور جتنا سمجھا سکتا تھا سمجھا دیا کہ زمانہ نازک ہے۔ لڑکی ذات کے لئے اتنی ڈھیل چھوڑنا اچھا نہیں ہے مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز سنتا کون ہے؟“

میں نے کہا۔ ”معاف کیجئے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کے اس مشورے میں خلوص نہیں ہے۔ مگر اس زمانے میں آپ کی یہ آواز بہت دور کی آواز محسوس ہوتی ہے جیسے ماضی حال کو پکار رہا ہو اب وہ گزرا ہوا دور آپ کے پکارنے سے واپس نہیں آ سکتا۔ البتہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے زمانے میں لڑکی اپنے والدین کی عزت ہوا کرتی تھی اور اس زمانے میں لڑکی خود اپنی بھی عزت ہے۔“

منشی جی کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی اور منہ بنا کر بولے۔ ”اماں رہنے بھی دو۔ اب! کیوں میری زبان کھلاؤ گے۔ بھائی میرے تو ہوش اڑ گئے۔ جب میں نے نرگس کے کمرے میں طبلے کی جوڑی اور گھنگرو دیکھے۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ صاحبزادی کو باقاعدہ راج کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسے آواز آتا تھا اور وہ باتیں باتیں سکھاتا تھا۔“

میں نے کہا۔ ”جی ہاں نزہت تو بہت اچھا ڈانس کرتی ہے۔ اپنے کالج کے کنسرٹ میں اور ایک مرتبہ ریڈیو کراس کے امدادی شو میں اس کو راج کا انعام بھی مل چکا ہے۔ ستار بھی خاصا بجا لیتی ہے اور اب خیال یہ ہے کہ امتحان کے جھگڑے سے چھٹی مل جائے تو گانا بیکھنا شروع کرے گی۔“

منشی جی نے واقعی میرے قائلین پر تھوکتے ہوئے کہا۔ ”تھو ہے اس شرافت پر۔ لعنت ہے ایسی تعلیم اور عہد یداری پر کہ ذمہ دہاری بن گئے اور آپ نمازی پر ہیزار گارو کراس کو جڑ بکھتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”پھر آپ نے دو مختلف باتیں ملائیں۔ میری نماز کا نزہت کے ناچ سے کیا تعلق ہے؟ آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں گویا میں خود ناچ رہا ہوں۔ یا میں نزہت کو ناچ سکھا رہا ہوں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”میں کہہ رہا ہوں کہ تم بھی تو اس کو برا نہیں سمجھتے۔“ میں نے کہا۔ ”دیکھئے صاحب میرا اصول یہ ہے کہ میں خود اپنی رائے کا پابند دوسرے کو کرنا نہیں چاہتا۔ البتہ یہ میں پھر بھی کہوں گا کہ یہ تربیت ایک علیحدہ چیز ہے اور ذاتی شرافت اس سے بالکل مختلف ہے اور باوجود اس تربیت کے میں یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نزہت نہایت نیک نہاد اور شریف انھما کی لڑکی ہے اور اپنے کو اتنا لائے دیئے رکھتی ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کو ایسی ویسی نظر سے دیکھ بھی سکے۔ رکھ رکھاؤ اور ایک خاص وقار ہے اس میں۔“

منشی جی نے بیزاری سے کہا۔ ”جنہم میں گیا رکھ رکھاؤ۔ اور بھاڑ میں گئی یہ شریفانہ خصلت۔ بہر حال میں نے تو اپنے کان پکڑے کہ میں اعجاز کے لئے ان صاحبزادی کا نام بھی نہ لوں گا۔ یہ صاحبزادی میرے لڑکے کو تو تنگی کا ناچ سچا دیں گی۔“

میں نے کہا۔ ”اگر آپ میرے مخلصانہ اور بے لوث رائے چاہتے ہیں تو واقعی اعجاز میاں کا اور نزہت کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ اعجاز میاں بے چارے نہایت شرمیلے اور دو شیرہ قسم کے جوان واقع ہوئے ہیں۔“

منشی جی نے فخر سے کہا۔ ”جی ہاں! میں نے اٹھان ہی ایسی اٹھائی ہے۔ صاحب آپ کو حیرت ہوگی کہ ابھی دو سال پہلے تک تو یہ صاحبزادے میری یا اپنی ماں کی چار پائی سے چار پائی ملا کر لیتے تھے۔ ڈر کے مارے کیا مجال کہ چراغ جلے کے بعد باؤ تو نکل جائیں۔ محلے کی لڑکیاں چھینرتی تھیں۔ ان سے چھلیں کرتی تھیں۔ مگر خدا اس کی عمر میں برکت دے یہ ایسا شرمیلا کہ خاک جو کسی کا کوئی اشارہ سمجھتا ہو۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ محلے کی لڑکیوں نے ان حضرت کا نام اعجاز آپا رکھ چھوڑا تھا۔“

میں نے کہا۔ ”ہا شاء اللہ واقعی بے حد سعید ہیں۔ خیر اب ذرا اور جھجک تو اتنی نہیں ہے مگر حال اب تک یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکی براہ راست ان سے بات کرے تو ان کا اختلاج شروع ہو جاتا ہے۔ نزہت سے بات کرنے میں ہکاتے ہیں پسینہ پسینہ ہو جاتے ہیں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”جی نہیں! یہاں رہ کر تو ان صاحبزادے نے بھی خوب پرہیز نکالے ہیں اور کافی شقیں پیدا ہو گئی ہیں اور کہاں تک اثر نہ پڑتا۔ اسی گھر میں وہ جمیل چھپیل شفیقت ربتا تھا اور اسی گھر میں وہ ان صاحبزادی کو دیکھ رہا تھا کہ لڑکی ذات ہو کر اس کے یہ رنگ ہیں۔ تو ان حضرت نے بھی پیٹ سے پیر نکالنے ورنہ اس کو کیا مطلب یہ پتوں و تلمون پسینے سے اور روز وارھی بنانے اور منہ کو چپکانے سے۔ اب تو صاحبزادے وہ اعلیٰ کافی تک پہنچے ہیں۔ چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں۔ گل دیکھا میں

نے کہ وہ پروں والی گیند اچھا رہے تھے۔ تھاپی سے میں نے کہا کہ اے
کیوں شامتوں نے گھیرا ہے؟ کیوں مینڈکی کو زکام ہو رہا ہے۔ بہر حال بھر پیا
میں نے انشاء اللہ ایک آدھ روز میں ان صاحبزادے کو لے کر واپس چلا
جاؤں گا اور وہاں ان کو پھر ان کی اوقات پر واپس لانے کی کوشش کروں گا۔
میں نے کہا۔ ”تو کیا واپسی کا قطعی ارادہ ہے۔“

منشی جی نے کہا۔ ”ہاں بھائی اب مجھ سے یہاں کے رنگ دیکھے نہیں
جاتے۔ دیکھ لینا یہ میاں مسعود سر پر ہاتھ رکھ کر نہ روئیں تو بدل دوں اپنا۔ یہ
لوٹڈیا خود اپنی مرضی کا برڈ سوٹڈ سے گی اور اس وقت ان جج صاحب بیباک کو پتہ
چلے گا کہ لڑکی کو آزادی دینے کا کیا نتیجہ ہوا؟“

میں نے کہا۔ ”مگر یہ تو جج صاحب خود جانتے ہیں کہ نزہت اپنے
شوہر کا انتخاب خود کر گئی اور یہ اس کا حق ہے۔“

منشی جی نے تھملا کر اٹھتے بیٹے کہا۔ ”بس تو بس۔ جب وہ خود
اپنی ناک کاٹ کر ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں تو ہم کون اور آپ کون؟ میں
اسی لئے تو یہاں سے جا رہا ہوں کہ مجھ سے کسی دن جھگڑا نہ ہو جائے ان
سر پھروں سے۔“

دراصل چلم جس گئی تھی اور خود بھی کافی جل گئے تھے اس لئے مجھ کو
نجات مل گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ختم زیب مستقل نجات ملنے والی ہے۔“

(۲۷)

جج صاحب کو تو شفقت اور جہاں آرا کے رومانی کھیل کا ایسا چسکا پڑا
تھا کہ اگر نہ پہر کو کسی قسم کی کوئی مصروفیت نہیں ہے تو وہ چاہتے تھے کہ ان کو
ہاشم کے یہاں پہنچا دیا جائے۔ جی چچی کا بھی چاہتا تھا۔ مگر ان بے چاری
کے لئے ان کا مونا پا ایک مستقل مرض تھا۔ اپنے کمرے سے اٹھ کر کوٹھی کے
لان تک جانا ان کے لئے مجاہدے سے کم نہ ہوتا تھا کبھی کبھی تو بے چاری پر
ترس بھی آتا تھا کہ جتنے جج صاحب سوشل ہیں اسی قدر یہ خانہ نشین بننے پر
مجبور ہیں۔ ہر دعوت نامے میں نام ان کا بھی ہوتا تھا۔ مگر وہ مجھ تر فی صدی
نال جایا کرتی تھیں اور گو بظاہر جج صاحب ان سے چلنے کے لئے اصرار ہی
کرتے تھے مگر جب وہ انکار کر دیتی تھیں تو ان کے چہرے پر ایسا رنگ آ جاتا
تھا گویا ایک بوجھ اتر گیا۔ خود نزہت اپنے باپ کی اس منافقت پر ہنسا کرتی

تھی اور کئی مرتبہ مجھ سے کہہ چکی تھی کہ دیکھئے مولانا یہ ہے دنیا کا رنگ کہ میاں بیوی بھی ایک دوسرے کا دل رکھنے کو آپس میں منافقت سے کام لیتے ہیں۔ بہر حال آج بھی جب نج صاحب نے براہ راست جہاں آرا کو فون کیا کہ میری آج کی شام خالی ہے۔ لہذا میں تمہارے یہاں وہی تماشا دیکھنے پھر آ رہا ہوں تو اس نے اصرار کیا کہ چچی کو بھی ساتھ لائیے اس کے جواب میں پہلے تو خود ہی نج صاحب نے چچی کی طرف سے معذرت چاہی مگر جب جہاں آرا نہ مانی تو اس سے کہا کہ بھی تم خود کہہ کر دیکھ لو۔ میں ٹیلیفون ان کے پاس لئے جاتا ہوں۔ اور پھر نج صاحب ٹیلیفون برآمدے سے چچی کے کمرے میں لے گئے۔ غالباً اسی مصلحت سے ٹیلی فون کی ڈوری بہت لمبی رکھوا چھوڑی ہے۔ چچی اپنے کمرے میں اپنے اسی جہاز پر تشریف فرما تھیں جو ان کی مسہری کہلاتا تھا۔ ہر طرف سٹکے اور گاؤں کے لگے ہوئے تھے تاکہ اسی پر حسب خواہش پہلو بدل لیا کریں۔ چچی دن بھر اسی مسہری پر جلوس فرماتیں اور مسہری کے چاروں طرف ان کے درباری کرسیاں بچھا کر بیٹھا کرتے تھے۔ وہ اخبار اسی مسہری پر پڑھتی تھیں۔ ناشتہ اسی مسہری پر کرتی تھیں اور دن کا کھانا بھی اسی مسہری کے قریب ایک میز بچھا کر چن دیا جاتا تھا۔ البتہ شام کو نج صاحب کی زیر دستی سے وہ ذرا باہر نکل آتی تھیں اور تھوڑی دیر یہ میاں بیوی سبزہ زار پر ٹہل لیتے تھے اور رات کا کھانا عموماً کھانے کے کمرے ہی میں ہوتا تھا۔ بہر حال اس وقت جب نج صاحب نے ان کو فون دے کر کہا

کہ جہاں آرا بات کرنا چاہتی ہے تو نج صاحب کے چہرے سے یہ اندیشہ برس رہا تھا کہ کہیں چچی راضی نہ ہو جائیں مگر وہ خوش ہو گئے جب چچی نے معذرت کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ ایک تو میرے لئے یوں ہی مشکل ہوتا ہے گھر سے لگنا۔ دوسرے آج تو طبیعت واقعی ست ہے۔ اس کے بعد نج صاحب نے مجھ سے کہہ دیا کہ مجھ کو پہلے ہی کھیپ میں پہنچا دینا تاکہ جب تک تم اپنے ہیر کو لاؤ میں وہاں چائے سے فارغ ہوں۔“

چنانچہ سر پہر کو اسی پروگرام پر عمل کرتے ہوئے نج صاحب تین بجے اسی کار میں آگئے جو مجھ کو لینے کالج آیا کرتی ہے میں نے ان کو تہنایدیکھ پوچھا۔ ”یعنی آپ بالکل تنہا ہیں۔ غشی جی تشریف نہیں لائے۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”اب میں نج صاحب کو کیا بتاتا کہ یہ کپڑا کئی دن سے ریگ رہا ہے۔ بہر حال ڈرائیور کو یہیں سے واپس کر کے میں نزہت کو اس کے کالج سے لیتا ہوا ہاشم کی کونٹھی پر پہنچ گیا۔ جہاں ہاشم اور جہاں آرا دونوں میرے منتظر تھے کہ میں نج صاحب اور نزہت کو لے کر کب آتا ہوں۔ جہاں آرا نے سب کا خیر مقدم کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ”سنئے مولانا طے یہ ہوا ہے کہ آج جب آپ شفقت کو لے کر آئیں گے تو ہاشم غائب ہوں گے اور میں آپ سے کہہ دوں گی کہ فوراً جائیے۔ ہاشم آپ کو کلب میں بلا گئے ہیں۔ وہاں آپ کے منتظر ہوں گے لہذا آپ بھی ہم سے رخصت ہو کر ان سب سے کھانے کے کمرے میں جا کر مل جائیے گا آپ کے لئے

چائے کا انتظام ہوگا۔“

میں یہ ہدایات لے کر واپس لوٹا اور کالج پہنچ شفق کا انتظار کرنے لگا۔ شفق حسب معمول وقت کی پوری پابندی کے ساتھ پہنچ گیا مگر آج تو خدا کی پناہ وہ سج دھج تھی کہ وہاں ہے۔ فاختی رنگ کی نہایت قیمتی سرج کی بہترین سلی ہوئی شیردانی جالی کھلا چوڑیدار پاجامہ اور پیروں میں سچے کام کی پشاوری سینڈل۔ بھینے بھینے عطر میں ڈوبے ہوئے جیسے ہی وہ قریب آئے میں نے کہا۔

خراماں خراماں معطر معطر

نسیم آ رہی ہے کہ وہ آ رہے ہیں

اس نے ایک اداسے اپنی کلائی لچکا کر اپنی کلائی گھڑی کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔ ”دیکھ لیجئے کس قدر ٹھیک وقت پر پہنچا ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”یہ تو میں پہلے ہی سے مانتا ہوں کہ آپ غالباً گھڑی پر سواری ہو کر آتے ہیں۔ بہر حال تشریف لے چلے۔ میں بھی فارغ ہوں۔“

چنانچہ ان حضرت کو لے کر جب میں ہاشم کے یہاں پہنچا ہوں۔ جہاں آرا اس طرح برآمدے میں ٹہل رہی تھی گویا انتظار کی پہاڑی گھڑیاں کا لے نہیں سکتیں۔ ہم دونوں کو دیکھتے ہیں اس نے پہلے تو کچھ مجھ سے کہنا چاہا۔ پھر شفقت کو دیکھ کر کچھ ٹھٹھک سی گئی اور آخراں نے سر سے پیر تک شفقت کو دیکھ کر کہا۔ اللہ جانے فلم ہے حیا نہیں ورنہ اس وقت ایک تصویر لے لیتی۔“

شفقت نے کہا۔ ”کیوں آج کوئی خاص بات ہے؟“

جہاں آرا نے کہا۔ ”ہاں آپ کے لئے تو کبھی خاص بات نہیں ہوتی۔ مگر شیردانی واقعی اچھی سی سلی ہوئی ہے۔“

شفقت نے کہا۔ ”سی بھی تو اس نے ہے جو قاعد اعظم کی شیرداناں سیتا تھا۔ مولانا! واقعی ختم ہے اس درزی پر شیردانی کا سینا۔“

میں نے کہا۔ ”بابا بقول جہاں آرا کے آدمی کا جسم ہونا چاہئے تم چاہے کسی سوچی سے سلوا کر وہاں لو کیڑا اچھا ہی لگے گا تم پر۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”اب دیکھئے میری آنکھوں میں خاک! سینہ اور کندھے اس صحیح تناسب سے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ مع بیگم کے شیردانی پہن آئے ہیں۔“

میں نے ہنسی ٹالنے کو کہا۔ ”اور وہ کہاں ہیں آپ کے فدوی؟“ جہاں آرا نے کہا۔ ”ارے ہاں تو یہ ہے۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر میں ان کو تو بھول ہی جاتی ہوں وہ کہہ کر گئے ہیں مولانا کو فوراً کلب بھیج دو میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے آج وہ کھلائے گا مجھے جو اور میری جیب میں دام بھی نہیں ہیں۔“

شفقت نے جیب سے پرس نکال کر کئی سبز نوٹ دکھاتے ہوئے کہا۔ ”داموں کی کیا کمی ہے مجھ سے لیجئے۔“

میں نے چلتے ہوئے کہا۔ ”شکریہ آپ کا۔ میں تو دراصل کھیلنا ہی نہیں چاہتا۔ بہر حال میں پہنچ جاؤں گا تھوڑی دیر میں۔“

اور وہاں سے رخصت ہو کر میں کھانے کے کمرے میں آ گیا جہاں تماشا لائی یہ تماشا دیکھنے میں محو تھے۔ میں نے چائے اپنے لئے تیار پائی اور نزہت نے پیالی بنا دی۔ میں چائے پیتا رہا۔ ادھر جہاں آرا اور شفقت میں گاڑھی چھتی رہی۔ جہاں آرا نے آج پھر وہی بات چھیڑی۔ خدا کے لئے مجھے یہ تو بتاؤ کہ چھپسی چھپوں کا کھیل آخر کب تک جاری رہے گا اور اب تو مجھے اور بھی کوفت ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ ان حضرت کو واقعی کچھ شک پیدا ہو گیا ہے اور وہ مگرانی بھی فرما رہے ہیں۔“

شفقت نے کہا۔ ”پھر تو ہم کو اور بھی احتیاط ہی سے کام لیتے رہے۔ آپ کو دوسرے کے جذبات سے کیا سروکار۔ میں یہ کہتی ہوں کہ اب کھل کر سامنے آ جانے کا وقت ہے۔ کل کہہ رہے تھے کہ مجھے ہر وقت اپنی جان کا خطرہ ہے اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک سایہ ہے جو میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو رہا ہے۔ چنانچہ کئی دن سے بھرا ہوا پستول ساتھ رکھتے ہیں۔“

شفقت کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور بمشکل تمام وہ یہ کہہ سکا۔ ”میری رائے یہ ہے کہ میں یہاں آنا ذرا کم کر دوں۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”تو کیا آپ کی لائف انشور نہیں ہے؟“

شفقت نے کہا۔ ”صاحب لائف انشور ہونے کا مطلب یہ تو نہیں

ہوتا کہ آدمی جان بوجھ کر موت کے منہ میں چلا جائے۔“

جہاں آرا نے بڑی افسردہ گام سے کہا۔ ”کاش یہ مجھ کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ آپ مجھ کو اس طرح منجھڑا رہے ہیں تب تو چھوڑ دیں گے۔“ اور لگی منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

شفقت نے گھبرا کر کہا۔ ”بھئی تو یہ ہے تم سے بھی۔ صاحب بات تو سنئے۔ میں بخدا دوسری ہی بات کہہ رہا ہوں۔ اچھا اگر تمہارا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے بھرے ہوئے پستول کا مجھ کو نشانہ بنادیں تو سر تسلیم خم ہے۔“

جہاں آرا نے اپنے کو سنبھال کر کہا۔ ”اس قسم کے معاملات میں موت سے تو کھیلنا ہی پڑتا ہے۔ وہی مثل کہ۔“

جس کو ہودین دودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

”تو پھر میں صاف کہہ دوں اُن سے“

شفقت نے اس کے جواب میں اس حسرت سے جہاں آرا کو دیکھا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا اور آخر ہاشم کے ساتھ میں باہر آ گیا کہ غریب کہیں ہم ہم کرا اپنے قلب کی حرکت نہ بند کر بیٹھے۔“

ہاشم کے گھر سے جس وقت میں نج صاحب اور نزہت کو لے کر نج صاحب کی کونٹھی واپس آیا ہوں یہاں موت کا سا سکوت طاری تھا۔ درود یوار سے ویرانی برس رہی تھی۔ صرف بیراسر جھکائے برآمدے میں کھڑا تھا۔ نج صاحب نے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ”کیا بات ہے بیرا؟“

اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ”آپ بیگم صاحب کے کمرے میں چلے جائیے۔“

نج صاحب نے تشویش سے پوچھا۔ ”مگر بات کیا ہے؟ بتاتا کیوں نہیں۔“

بیرے نے کہا۔ ”فحشی صاحب کچھ ناراض ہو کر بہت چیخے چلائے

ہیں اور بیگم صاحب جب سے برابر رو رہی ہیں۔“
 نج صاحب نے میری طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ”آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا ناممکن ہے کہ یہ حضرت آئیں اور بغیر ہنگامہ برپا کئے ہوئے واپس چلے جائیں۔“

اور یہ کہہ کر ہم سب کو ساتھ لئے چچی کے کمرے میں پہنچ گئے جو اپنی اسی مسہری پر لحاف اوڑھے لیٹے پڑی تھیں اور آپا پیرد بار رہی تھی۔ نج صاحب نے کمرے کی تمام بتیاں روشن کر کے چچی کے منہ سے لحاف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”کیا بات ہوئی بیگم۔“

چچی نے اپنے کو بے شکل شگفتہ بنا کر کہا۔ ”بات کیا ہوتی وہی جس کا روز ہم آپ سب انتظار کیا کرتے تھے۔“
 نج صاحب نے کہا۔ ”پھر بھی اس طوفان کے لئے بہانہ کی کیا بات بنی؟“

چچی نے کہا۔ ”بس آپ کے جانے کے بعد ہی وہ میرے کمرے میں آگئے اور لگے بکنے جو منہ میں آیا کہ تم لوگ اپنی اصلیت کو بھول گئے ہو۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”اصلیت سے کیا مطلب؟ یعنی ہم ان کے نزدیک کچھ بد قومے ہیں اور اب اپنے کو کچھ بہتر بنا کر پیش کر رہے ہیں۔“

چچی نے کہا۔ ”نہیں ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم کچھ ضرورت سے زیادہ آزاد خیال ہو گئے ہیں۔ سو باتوں کی ایک بات یہ کہ ان سے بے بی

کی یہ آزادی نہیں دیکھی جاتی۔ ایک ایک بات پر تو وہ ٹوکتے ہیں۔ آج کہنے لگے کہ ڈوب مرو اگر غیرت ہو کہ لوندیا کو طبلے کی تھاپ پر کولے مکانا سکھایا جا رہا ہے۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”پھر ان کا اجارہ؟“ ”بھئی ہماری لڑکی ہے ہم جو چاہیں کریں وہ کون؟ خیر وہ تو حماقت کی باتیں کرتے رہے۔ مگر جناب کس تقریب میں روئی تھیں؟“

چچی نے مسکرا کر کہا۔ ”نہ لیکن۔ البتہ جب ایک آدمی بکے جانے کا تو کہاں تک کوئی سنے۔ میں نے بھی آخر کہہ دیا کہ بھائی صاحب آپ کو یہ باتیں ناگوار ہیں تو چپ ہو رہے۔ برا بھلا تو اس وقت کہئے اگر ہم آپ سے کہیں کہ خدا ہماری لڑکی کو سمیٹ لیجئے۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”مصیبت تو یہی ہے کہ وہ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ گویا ان کے اس چغد لونڈے اعجاز کو بے بی کے لئے پسند کیا جاسکتا ہے۔ پہلے انہوں نے اس کو بھیجا وہ ایک ہی گاؤں کی لڑکی تھی۔ دن یہاں رہا اور بات کرنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ مولانا آپ کو نہیں معلوم۔ یہ صاحبزادے جب تشریف لائے ہیں تو چائے کی پیالی میں ٹوسٹ توڑ کر بھگولیا کرتے تھے اور چٹچے سے شروپ شروپ کر کے وہ مفلح ہو کر کھاتے تھے۔ میز پر کھانا کھاتے تو یہ حال ہوتا کہ ہم لوگوں کو ابکیاں آتی تھیں۔ صاحب یہ ایڈیٹ انگلیاں منہ میں ڈال کر چانا کرتا تھا۔ چاول اس طرح اپنی پانچوں انگلیوں سے مسل

کر کھاتا تھا کہ ناقابل برداشت ہو جاتا تھا وہ منظر خیر اتنے دن یہاں رہنے کا نتیجہ یہ تو ہوا کہ ان پر خوردار نے آدمیت کے جامے میں آنا شروع کر دیا تھا۔ مگر وہ بٹھرا جاہل مطلب بولنے میں تلفظ کی اور لکھنے میں املا کی غلطیاں کرتا ہے اور اس قابل تو وہ ہے ہی نہیں کہ کسی مہذب سوسائٹی میں اب بھی اس کو لے جایا جائے۔“

چچی نے کہا۔ ”یہ تو ہم آپ کہتے ہیں نا۔ مگر بھائی صاحب تو اپنے اسی جنگلی پر ایسا فخر کرتے ہیں کہ میں کیا کہوں۔ کہنے لگے کہ میں اپنی حماقت سے یہی ارادہ لے کر آیا تھا کہ نرپا اور اعجاز کے فرض سے ہم دونوں سبکدوش ہو جائیں مگر میں تو اب کان پکڑتا ہوں۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ وہ کان پڑ رہے ہیں ورنہ مجھ کو یہ خدمت انجام دینا پڑتی اگر وہ اس نسبت کا ذکر چھیڑتے۔ بہر حال اب کیا ہے ان کا پروگرام؟“

چچی نے کہا۔ ”سامان باندھ رہے ہیں۔ اعجاز نے دلی زبان سے کہا کہ میں فی الحال جانا نہیں چاہتا تو اس کی وہ مرمت کی ہے کہ مجھے تو تعجب ہی ہو گیا کہ جو ان لڑکے بھی اس طرح پینے جاسکتے ہیں۔ جو تا تک لے کر دوڑے اس کے پیچھے۔ بہر حال شاید اسی وقت چلے جائیں۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”خس کم جہاں پاک۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا ان کا سامنہ نہ ہو۔ ورنہ مضبوطی انتہا ہو چکی ہے میں ان کی ایسی خبر لوں گا کہ وہ بھی

یاد کریں۔“

نچ صاحب یہ باتیں کر رہی رہے تھے کہ بیرے نے ایک لفافہ لا کر ان کو دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ اعجاز صاحب نے دیا ہے۔“
نچ صاحب نے لفافہ لے کر پہلے مختلف جیبوں میں چشمہ ٹٹولا۔ پھر مجھ سے کہا۔ ”مولانا سناؤ پڑھ کر کیا لکھا ہے۔“

میں نے لفافہ کھول کر خط پڑھنا شروع کیا۔ ”جناب خالو صاحب قبلہ مدظلہ گزارش یہ ہے کہ آج والد صاحب قبلہ اور خالہ صاحبہ محترمہ کے درمیان جو رنجش ہو گئی ہے اس کی سزا مجھے بھگتنا پڑ رہی ہے۔ اور میں مجبور کیا جا رہا ہوں کہ اسی وقت والد صاحب کے ہمراہ واپس جاؤں مگر میں کسی طرح نہیں چاہتا کہ میں یہاں سے جاؤں۔ میں یہ خط بھی غسل خانے میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں۔ اس لئے کہ والد صاحب ایک منٹ کے لئے بھی اس کے روادار نہیں کہ میں یہاں ہوں۔ میں والد صاحب کی ہر ناراضگی برداشت کر سکتا ہوں۔ مجھ کو یہ بھی منظور ہے کہ مجھ کو عاق کر دیں اور کبھی میری صورت نہ دیکھیں۔ بشرطیکہ آپ میرے سر پر ہاتھ رکھیں اور مجھ کو اپنی غلامی میں قبول کر لیں۔“
نچ صاحب نے چیخ کر کہا۔ ”بس کرو مولانا میں نہیں سنا چاہتا یہ بکواس۔“

چچی نے کہا۔ ”یہ صاحبزادے تو چھپرے رستم نکلے۔ گویا براہ راست نسبت دے رہے ہیں۔ مینڈ کی کو بھی رکام ہوا۔“

نچ صاحب نے بڑی تلخی سے کہا اور رکھواس کو کلیچہ سے نگالگا کر اور پالو آستین میں یہ سانپ۔“

نرہت نے کہا۔ ”ڈیڑی یہ خط تو آپ انکل کو ضرور دے دیجئے۔“
میں نے کہا۔ ”انہیں کیا فائدہ۔ اس خط کا جواب بس یہی ہے کہ آپ کوئی جواب نہ دیں۔“

نچ صاحب نے کہا۔ مگر ذرا دیکھتے تو سہی مولانا کہ یہ اس اعجاز کا خط ہے جس کے متعلق خیال یہ تھا کہ اس کو بات کرنا ہی نہیں آتی۔“
چچی نے کہا۔ ”وہی تو میں بھی کہہ رہی ہیں کہ یہ تو بڑے چھپرے رستم نکلے وہی مثل کہ منہ لگائی ڈومنی گائے تال بے تال۔“

نچ صاحب نے کہا۔ واقعی میری بھی وہی رائے ہے جو بے بی کی ہے۔ یہ خط میں ان کے باوا جان کی خدمت میں بھیج دوں۔“
چچی نے کہا۔ ”جانے بھی دیجئے اور ان کو دفع ہی ہونے دیجئے۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اس مرتبہ یہ ہمیشہ کے لئے روٹھ کر جا رہے ہیں۔“
بیرے نے پھر آکر کہا۔ ”مولانا صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں منشی جی۔“

نچ صاحب نے بگڑ کر کہا۔ ”کہہ دو ان سے کہ نہیں آئے مولانا۔“
چچی نے کہا۔ ”نہیں نہیں یہ غلط ہے میرے خیال میں مولانا کو چلا جانے دو۔ دیکھیں ان سے کیا کہتے ہیں۔“

بیرے نے کہا۔ ”تا نگے پر سامان رکھوا چکے ہیں شاید ملے اور رخصت ہونے کو بلایا ہے۔“

نچ صاحب نے کہا۔ ”جائیے مولانا۔ مگر دب کر بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات کہیں تو منہ توڑ جواب دیجئے گا۔“

میں نچ صاحب کی یہ ہدایت لے کر باہر چلا آیا تو معلوم ہوا کہ کوٹھی کے پھانک پر گانگے کے پاس فشی جی مع اپنے برخوردار کے کھڑے ہیں۔ چنانچہ میں بھی وہیں حاضر ہوا۔ مجھ کو دیکھتے ہی فشی جی اپنا حقہ اعجاز کے ہاتھ میں دے کر میری طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

”لو بھئی مولانا ہم تو چلے بلکہ چلے کیا وہی جو کسی شاعر کا کہنا ہے کہ۔۔۔
آبرو دے کر تیری جنت سے ہم نکلے
میں اس مصرع کو اپنی جگہ سمجھتے ہوئے کہا۔ ”جی ہاں مجھے تو ابھی معلوم ہوا کہ ایک دم آپ چل ہی دیئے۔“

فشی جی نے کہا۔ ”انشاء اللہ آپ کا بھی یہی حشر ہوگا۔ مولانا۔ اس گھر میں کسی غیرت دار کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ بہر حال میں تو آپ کو پہلے ہی بتا چکا تھا کہ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ بخدا پاگل خانہ ہے۔ یہ گھر ایک سے ایک سر پھرا موجود ہے یہاں۔ حد یہ ہے کہ وہ میری موٹی سالی اس کا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔ نچ کی جورو بن کر خیر چھوڑیئے اس قصے کو۔ صرف آپ ایک یہاں ایسے ہیں کہ آپ سے رخصت ہو کر جارہا ہوں۔ میرا کہنا

معاف کیجئے گا۔“

میں نے کہا۔ ”آپ بزرگ ہیں۔ دوسرے آپ نے کہا ہی کیا ہے؟“

فشی جی نے گلے مل کر رخصت ہوتے ہوئے کہا۔ ”اچھا بھائی خدا حافظ! میں نے اعجاز سے بھی ہاتھ ملایا اور پھر یہ دونوں باپ بیٹے تانگے پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔“

”ڈیڈی میں نے دونوں سے کہہ دیا ہے کہ آج کا کھانا میرے اور تمہارے بہناپے کی تقریب کا کھانا ہے۔“

جج صاحب نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ غلط ہے۔ یہ کھانا صرف یوم نجات کی تقریب میں ہے کہ خدا نے ہم کو نفی امتیاز علی ایسی بلائے بے درماں سے نجات دی ہر چند کہ ہم گنہگار اس بخشش اور اس کے کرم کے مستحق نہ تھے۔ مگر گناہ گاروں پر بھی رحمتیں برسانے والے مولانا نے ہماری بے کسی اور بے بسی دیکھ کر ہم کو اس عذاب سے نجات دی۔“

چچی نے کہا۔ ”سچ جج آج تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی قید سے رہائی ملی ہو۔“

جج صاحب نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”رہائی تو ہے ہی جیلر صاحب جو تشریف لے گئے۔ بہر حال اس کھانے کو تو اعلان کے ساتھ صرف یوم نجات کا کھانا کہوں گا۔ تمہارے بہناپے کی تقریب پھر کسی اس میں صرف کھانا تھوڑا ہوگا۔ اس میں تو دوپٹے بدلے جائیں گے۔ تم دونوں ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرو گی۔ وغیرہ وغیرہ۔“

میں نے کہا۔ ”صاحب آپ لوگوں نے تو نفی جی کو یہاں سے روانہ کر کے مجھ کو ویران کر دیا۔ میرا ہی کمرہ تو ان کا ہیڈ کوارٹر تھا اور میں ہی ان کا ندیم خاص تھا۔ کالج جانے سے پہلے اور کالج سے آنے کے بعد پھر رات کو کھانے کے بعد۔ اب کون میری مجلس گرم کرے گا۔“

(۲۹)

آج جج صاحب نے یوم نجات منایا اور چوتلکے کالج میں چھٹی تھی۔ لہذا طے یہی پایا کہ لٹچ پر ہاشم اور آرا کو بھی بلا لیا جائے اور یہاں سے سب ساتھ ان کے گھر جا کر حسب معمول شفقت اور جہاں آرا کا ڈرامہ دیکھیں۔ چنانچہ اس پروگرام کی اطلاع نہت نے جہاں آرا کو کر دی اور تو اور آجکل جہاں آرا اور نہت کی بڑی گاڑھی چھن رہی تھی۔ وہ زبردست بہناپا ہوا تھا کہ ایک کو دوسرے کے بغیر چین ہی نہ تھا۔ حد یہ ہے کہ نہت نے ہاشم کو باقاعدہ دولہا بھائی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی خبر جج صاحب کو بھی تھی اور چچی کو بھی۔ اور یہ دونوں بھی اس اتحاد سے خوش تھے اس لئے کہ جہاں آرا کو یہ دونوں بھی بہت پسند کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی نہت جب جہاں آرا کو فون کر کے آئی تو اس نے کہا۔

چچی نے کہا۔ ”ہاں بھئی تمہارے بھی دل گردے کا جواب نہیں ہے۔“
 نزہت نے کہا۔ ”آپ کے کمرے کا تمام سامان اگر آج کھانا نہ ہوتا
 تو نکال لیا جاتا۔ کمرہ دھلتا و ہائٹ واش ہوتا اور پھر سے اس کو ٹھیک کیا جاتا وہ
 کمرہ تو خاصہ کبار خانہ بن کر رہ گیا ہے۔ قالین میں نہ جانے کتنے گیلن حقے کا
 پانی جذب کیا گیا ہے۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”وہ قالین بدلوادو۔ خیر تم فکر نہ کرو میں خود ہی کل
 ان کا کمرہ ٹھیک کراؤں گا۔ اپنی خاص نگرانی میں یہ میرے محسن ہیں کہ ان بے
 چارے نے فشی امتیاز علی ایسے خدائی فوجدار کی موجودگی میرے لئے جہاں
 تک ان سے ہو سکا غیر محسوس بنانے کی کوشش کی۔“

چچی نے کہا۔ ”واقعی بے چارہ ہمارا عذاب اپنی جان پر جھیلتا رہا۔“
 نزہت نے کہا۔ مگر انکل بھی ان سے اتنے خوش تھے حیرت ہی ہوتی
 تھی۔ شاید ہی وہ کبھی کسی سے اتنا خوش رہے ہیں۔“

جج صاحب نے کہا۔ نہیں صاحب یہ یقیناً جادوگر ہیں بلکہ میں تو ان کو
 یہ رائے دینے والا تھا کہ خواہ مخواہ کالج میں پروفیسر بنے ہوئے ہیں۔ اگر یہ
 سرکس کے لئے جانور سدھانے کا کام شروع کر دیں تو اس سے بہت زیادہ
 اچھے رہ سکتے ہیں۔“

دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ جج صاحب آج بہت دن کے
 بعد ترنگ میں آئے تھے اور وہ واقعی یومِ نجات منارہے تھے۔ کئی مرتبہ تو ان کو

سٹی بجاتے دیکھا۔ بات بات میں ہنس دیتے تھے۔ بیوی سے بھی جہلیں
 ہو رہی تھیں۔ نزہت کو بھی چھیڑ رہے تھے اور تو اور میرے کو بھی اپنا ایک پرانا
 کوٹ بخش دیا۔ میرے کمرے کے لئے بھی نئے قالین کی منظوری دے دی
 بلکہ میرے کمرے کو خود اپنی نگرانی میں ٹھیک کرانے کا ارادہ کر لیا۔ جس کے معنی
 یہ ہوئے کہ اب اس کمرے کا تمام فرنیچر بدل جائے گا۔ نہ جانے کتنی قیمتی
 چیزیں اس میں سجاویں جائیں گی اور اب یہ کمرہ ہوجائے گا واقعی ٹھانڈا دار۔
 اس لئے کہ جج صاحب یا تو کسی طور متوجہ ہی نہیں ہوتے اور اگر توجہ فرمادنی کسی
 طرف تو اپنی فیاضی اور اولوالعزمی کی حد دکھا دیتے تھے۔“

کھانے کے وقت سے کچھ پہلے ہی ہاشم اور جہاں آرا بھی آ موجود
 ہوئے۔ اور جج صاحب نے پہلے تو ان دونوں کو فشی اور اعجاز کے جانے کا مژدہ
 سنایا۔ اس کے بعد تفصیل سے فشی جی کا تعارف کرایا کہ یہ حضرت خداوند کریم
 کے جلال کا کیا نمونہ تھے۔ اور عذاب جہنم کی کتنی ہولناک قسم واقع ہوئے
 تھے۔ مگر جہاں آرا نے پوری روداد سن کر کہا۔

”واہ بچا میاں آپ نے میرا ایک لاجواب شکار بھگا دیا۔ آپ کو کیا
 معلوم ہے شفقت کے بعد میرے پروگرام میں اعجاز ہی تو تھے۔ ہائے وہ ان
 کی ناکتہ ادائیں۔ وہ ان کے بہو بیٹیوں کے سے انداز ایسے چھوٹی موٹی

انسان کہاں ملتے ہیں۔ ان کے لئے تو رع

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے

جج صاحب نے کہا۔ ”خیر وہ اس ڈھب کے نہ تھے۔“

چچی نے کہا۔ ”یہ کیا کہا۔“ اس خط کے باوجود ان میں ذرا مشکل ہی سے ان کا شکار بننے کی صلاحیت پیدا ہو سکتی تھی۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”یہ تو چچا میاں آپ فن کی تحقیر کر رہے ہیں۔ یہی تو میرا کمال ہوتا کہ میں آپ کو ان ہی برخوردار کی سعادت آثاری کے تماشے دکھاتی۔“

ہاشم نے کہا۔ ”صاحب یہ بڑی بلا ہیں۔ کانچ میں ایک سے ایک زاہد خشک کو انہوں نے ایسا ششے میں اتارا کہ توبہ توبہ۔ وہ تو کہنے کے خوش نصیب تھا۔ اعجاز ان کے ہتھے نہیں چڑھا ورنہ گت بن جاتی غریب کی۔“

کھانے کے کمرے کی گھنٹی بجی اور ہم سب میز پر آ گئے۔ پر تکلف کھانا اور بے تکلف محفل، لطف آ گیا اس کھانے کا۔ واقعی ہاشم اور جہاں آرا تو اس گھر میں ایسا گھل مل گئے تھے کہ ان کو مہمان کہنا ہی غلط ہے اور جج صاحب اور چچی بھی ان کو اپنے گھر ہی کے افراد میں شامل سمجھتی تھیں۔ ہاشم باقاعدہ اس گھر کا داماد بنا ہوا تھا اس لئے کہ نہ ہت کے دو لہا بھائی کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوکر چار سب دو لہا میاں کہنے لگے تھے۔“

کھانے کے بعد کچھ دیر محفل جی رہی پھر جج صاحب اور چچی جہاں آرا اور نہ ہت تو ہاشم کی گاڑی پر ہاشم کے ساتھ روانہ ہو گئے اور میں کانچ میں روانہ ہوا۔ اس لئے کہ شفقت سے طے تھا کہ کانچ کھلا ہو یا بند بہر حال وہ کانچ

ہی پہنچ جایا کرے گا۔ چنانچہ وہ مقررہ وقت پر کانچ پہنچ گیا۔ اور میں اسے لے کر ہاشم کے گھر جا پہنچا۔ اس وقت ہاشم اور جہاں آرا دونوں بیٹھے چلغوز سے کھا رہے تھے۔ ہم لوگ اس میں شریک ہو گئے اور جو بات شفقت نے راستے میں ادھوری چھوڑی تھی وہ پھر شروع کر دی۔

ہاں تو مولانا آپ کا خیال یہ ہے کہ فنی امتیاز علی مع اپنے فرزند و لبند کے خواہ مخواہ ہی تشریف لے گئے۔

میں نے کہا۔ ”مجھ کو تو یہی علم ہے آپ نے کیا کچھ اور سنا ہے۔“ شفقت نے کہا۔ ”اب مجھ سے سنئے کہ واقعہ یہ ہوا کہ فنی امتیاز علی اس غرض سے آئے تھے کہ اعجاز کی نہ ہت کے ساتھ کم سے کم مفتی کرا کے مفتی کی انگوٹھی نہ ہت کو ضرور پہنچا دیں۔ دو بھاری مٹلی چچی بھی یہی چاہتی تھی اور ہمارے چچا تو آپ جانتے ہی ہیں کیا نہایت چغند واقع ہوئے ہیں جو رو کے غلام۔ چنانچہ وہ بھی راضی ہو گئے تھے مگر نین وقت پر نہ ہت نے انکار کر دیا۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”نہ ہت یہ تو شاید کسی خاتون کا نام ہے۔“ شفقت نے کہا۔ ”ہاں ہاں جج صاحب کی صاحبزادی تو صاحب ان صاحبزادی نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ اگر شفقت سے میری شادی نہیں ہو سکتی تو اس بیہودے سے بھی نہیں ہو سکتی۔“

شفقت نے کہا۔ ”اسی وجہ سے تو مجھے وہ گھر چھوڑنا پڑا کہ وہ عزیزہ خواہ مخواہ اپنے کو میرے سرمنڈھنے پر تلی ہوئی تھیں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”مولانا! یہ وہی لڑکی تو نہیں جو آپ کے ساتھ کالج جایا کرتی ہے۔ وہ تو بڑی معقول لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اگر شفقت صاحب اس سے بھاگے ہیں تو تعجب ہی ہے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”خیر شفقت صاحب اس پر پھر تفصیلی باتیں ہوں گیں۔ ہاشم تم چائے منگواؤ۔ میں چائے پی کر ذرا آرام کرنا چاہتی ہوں۔“
میں سمجھ گیا تھا کہ جہاں آرا ان گستاخیوں کی تاب نہیں لاسکی جو شفقت نے جج صاحب، چچی اور نزہت کی شان میں کی ہیں اور وہ اس محفل کو اس وقت ختم کرنا چاہتی ہے۔ لہذا یہ محفل چائے کے بعد ختم ہوگئی۔

(۳۰)

میرا خیال درست نکلا۔ واقعی جہاں آرا نے شفقت کی یہ بے ہودہ گوئی اس حد تک برداشت کی کہ اس کا سارا مودہ ہی ختم ہو گیا۔ چنانچہ جب میں شفقت کو پہنچا کر پھر ہاشم کے یہاں آیا ہوں۔ تو وہ ایک دم مجھ پر ہنس پڑی۔
”دیکھئے مولانا! اب یہ مذاق ختم یہ شخص اب اپنی حدوں سے گذرتا جاتا ہے۔ میں نے اپنے کو بہت سنبھالا۔ ورنہ جی چاہتا تھا کہ جوتی اتاروں اور تاجپوشی شروع کر دوں۔“
جج صاحب نے کہا۔ ”آج صاحبزادی تم بری طرح فیل ہو گئیں۔“

ایک اداکار کو اپنے ذاتی جذبات اور محسوسات سے اسٹیج پر کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے مگر آج تم اپنے جذبات کی رو میں بہہ گئیں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”واقعی یہ کیفیت میں نے ان کی کبھی نہیں دیکھی۔ مجھے خود حیرت ہو رہی تھی۔“

چچی نے کہا۔ اس میں حیرت کی تو کوئی بات نہیں۔ وہ سعادت مند اپنے اس چچا کو گالیاں دے رہا تھا جس نے ہمیشہ اپنی جان چھڑکی ان لوگوں پر۔ پہلے ان صاحبزادے کے والد کا گھر بھرا۔ پھر خود ان کو سمیٹا۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”خیر وہ سب میرے فرائض تھے اور میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ اب یہ برخودار اپنا فرض پورا کر رہے ہیں۔ البتہ بے بی کے متعلق جو بیہودہ گوئی وہ کر رہا تھا اس وقت ذرا مجھ کو بھی طیش آچلا تھا۔ مگر میں نے فوراً اپنے کو سنبھالا کہ یہ تو تماشا ہے۔ تمہیل پر میں واقعہ گمان کیوں کروں مگر خود یہ صاحبزادی آج اپنے فن میں ناکام رہ گئیں۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”فن گیا بھاڑ میں۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کوئی فن کے پیچھے اپنے بزرگوں کو گالیاں کھلوائے اور ذرا غلط فہمیاں تو دیکھئے کہ نزہت نے میری وجہ سے انکار کر دیا ہے۔ جی چاہا کہ جوتی کے تلے پر آئینہ رکھ کر ان کے سامنے پیش کر دیا جائے کہ ذرا منہ تو دیکھئے اپنا نزہت تو ایسوں کے سامنے گھاس بھی نہ ڈالے۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”مگر مولانا سوال یہ ہے کہ رات گئے ہیں مٹی

اتمیاز علی اور آج ہی ان صاحبزادے کو خبر بھی ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے ان سے ذکر کیا ہوگا ورنہ پھر ان کو کیسے خبر ہوگئی؟“

میں نے کہا۔ ”یہ سوال میں خود ان حضرت سے کر چکا ہوں۔ اس کے جواب میں کہنے لگے کہ مولانا میری سی۔ آئی ڈی بھی وہاں موجود ہے اور میرے جاسوس منٹ منٹ کی خبر مجھ کو لا کر دیتے ہیں۔“

چچی نے کہا۔ ”ہونہ ہو۔ یہ ہمارا پیرا ہے۔ وہی اس کا سب سے بڑا طرفدار تھا اور اسی نے ایک دن مجھ سے کہا تھا کہ صاحبزادے صاحب ملے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میرا پیلا سوٹ کیس بیگم صاحب کی اجازت لے کر مجھ کو لا دو۔ میں نے اس کو ڈانٹ دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نمک حرام اس سے اب تک مل رہا ہے۔“

نزہت نے کہا۔ ”مئی آپ نے رات اس کی بات نہیں سنی۔ کہہ رہا تھا کہ اس گھر سے بے قصور نکال دیئے جاتے ہیں اور جو آستین کے سانپ ہوں وہ پالے جاتے ہیں۔ آج پتہ چلا ہوگا صاحب کو بھی کہ ان کے اصل دشمن تو یہ تھے مٹی جی۔“

نج صاحب نے کہا۔ ”مولانا سب سے پہلا کام تو یہ کرنا چاہئے کہ اس ہیرے کا حساب کیا جائے میں اس سے نہیں گھبراتا کہ وہ جاسوسی کر رہا ہے۔ بلکہ اس قسم کے لوگ جو گھریلو سیاست میں حصہ لینے لگیں۔ خطرناک ہوتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”میں تو شکر یہی ادا کرتا ہوں کہ اس پیرے نے میرے متعلق شفقت سے کچھ نہیں کہا ہے۔ ورنہ یہ کھیل جو ہم سب کھیل رہے ہیں۔ ناممکن ہو جاتا۔“

ہاشم نے اپنی تجربہ کارانہ رائے دی۔ ”صاحب پولیس کا ڈی۔ ایس۔ پی میں ہوں اور تفتیشی باتیں آپ سب کر رہے ہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ پیرا بھی شاید کبھی شفقت سے ملا ہو۔ مگر وہ شفقت کا باقاعدہ جاسوس ہرگز نہیں ہے۔ ورنہ شفقت کو یہ بھی اطلاع ہوتی کہ ہم لوگ کبھی کبھی وہاں جایا کرتے ہیں۔ شفقت کو یہ بھی خبر ہوتی کہ نزہت یہاں آتی ہیں۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”ہاں صاحب واقعی پولیس کا ایک تجربہ کار افسر یہ بات تو ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ مٹی جی کے جانے کی خبر اس کو ہوئی کیسے؟“

ہاشم نے کہا۔ یہ بتائیے کہ کونسی کے باہر جو تانگہ آپ نے دیکھا تھا مولانا وہ محلے کا تو نہیں۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”بس بس میں سمجھ گیا۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ یقیناً وہ جن تانگے والا ہوگا جو کونسی کے سامنے ہی رہتا ہے اور جو اکثر شفقت صاحب کی سواری میں رہا کرتا تھا۔ مگر حیرت ہے کہ تم اتنی جلدی اس صحیح نتیجے پر پہنچ گئے۔“

میں نے کہا۔ ”بھئی ہاشم میں تم سے دست بستہ معافی چاہتا ہوں کہ گو

میں نے کبھی تمہارے منہ پر اس خیال سے نہیں کہا کہ مبادا تمہاری دل شکنی ہو جائے۔ اور نہ جہاں آرا سے کہا کہ کہیں یہ اپنی قسمت کو رونے نہ بیٹھ جائے۔ مگر ذاتی طور پر ہمیشہ تم کو بدھو سمجھا اور ہمیشہ اس پر حیرت کی ہے کہ آخر پولیس کے محکمے میں یہ حضرت کیا کرتے ہوں گے۔ مگر آج مجھے اپنے اس اعتقاد پر خود شرم آ رہی ہے اور واقعی ندامت سے معافی چاہتا ہوں۔“

ہاشم نے اکر کر کہا۔ ”بہر حال آئندہ احتیاط سے کام لینا۔ اس مرتبہ معاف کیا میں نے۔ حالانکہ تم کو یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ کالج کے زمانے میں بھی تم سب جس کی واحد عقل سے کام لیا کرتے تھے وہ میں ہی تھا۔ اچھا اب یہ قصہ تو چھوڑیے اور ایک دوسری عقل کی بات بھی مجھ سے سن کر گرہ میں باندھ لیجئے کہ چونکہ شفقت کے براہ راست حریف آپ نہیں بلکہ اعجاز تھے۔ لہذا اب تک بخبری صرف اعجاز اور مٹی جی کی نقل و حرکت کی ہوا کرتی تھی۔ اور اب اعجاز کے جانے کے بعد شفقت پھر ایک مرتبہ یہاں آنے کی کوشش کریں گے۔“

جج صاحب نے سگار چپاتے ہوئے فرمایا۔ ”خیر اب ان کی یہ دال بھی منجمد ان کی دوسری دالوں کے گلانا ناممکن ہے۔“

ہاشم نے کہا۔ ”درست فرمایا مگر وہ تو اپنی سی کوشش کرے گا۔ بہر حال میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ اب اس کے بخبر اپنی توجہ اعجاز کے بعد دوسرے افراد کی طرف بھی مبذول کریں گے۔“

میں نے کہا۔ ”مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے بلکہ میرا تو یہ بھی خیال ہے کہ صرف جن تانگے والا ہی اس کا تجربہ نہیں ہے بلکہ گھر کے اندر بھی اس کو خبریں پہنچانے والے موجود ہیں۔“

ہاشم نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”پھر تم نے اپنی بساط سے بڑھ کر باتیں شروع کیں۔ کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ لال بکھو تو ہو سکتے ہو مگر سراغ رساں بننے کی کوشش نہ کرو۔ اور یہ بھی کوئی تیز کی بات نہیں ہے کہ جس فن میں خود دخل نہ ہو اس میں اس فن کے ماہروں کے سامنے دخل در معقولات سے کام لیا جائے۔“

جج صاحب نے ہنس کر کہا۔ ”بھئی آج تو ہمارے مولانا کو بولنے ہی نہیں دیتے۔“

ہاشم نے کہا۔ ”اب دیکھ لیجئے تاکہ ہر شخص کا ایک علیحدہ میدان ہوتا ہے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ دینیات ان کا میدان ہے۔ چنانچہ روزہ نماز کے متعلق یہ جب کبھی بات کرتے ہیں میں نہایت عقیدت سے سنتا ہوں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ اب کی جہاں آرا کی ساگرہ کے موقع پر میلاد شریف کراؤں گا اور ان کو وعظ فرمانے کی زحمت دوں گا۔ بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ بھی اپنے حدود میں رہیں اور اس کے قائل ہو جائیں کہ جس کا کام اسی کو ساجے۔“

”ہر کسے را بہر کارے ساختہ“

میں نے کہا۔ ”میں ندامت کے ساتھ اپنی دخل در معقولات کی

معذرت چاہتا ہوں۔“

ہاشم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ آثار ہیں اصلاح ہو جانے کے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ جن تانگے والے سے اور اس کے گھر کے کسی ملازم سے ایسے تعلقات ضرور ہوں گے کہ یا تو وہ یہاں آتا ہوگا یا یہاں کا کوئی ملازم وہاں جاتا ہوگا۔“

نرہت نے کہا۔ ”جی ہاں خانساں سے اس کی بڑی دوستی ہے یہ وہاں جاتا ہے وہ یہاں آتا ہے۔“

ہاشم نے کہا۔ ”یقیناً یہی ہوگا بہر حال اب ہم کو کرنا یہ چاہئے کہ شفقت کو خود بتا دیں کہ ہم لوگ جج صاحب کے یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”یہ بات آپ لوگ نہیں بلکہ میں اس کو بتاؤں گی اور کل اسی سلسلے میں بڑا زبردست رن پڑے گا۔“

جہاں آرانے اس سلسلے کی باقی تفصیل بتانے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس کا تعلق دیکھنے سے ہے۔ ہاتھ کٹن کو آرسی کیا ہے۔ کل دیکھ لیجئے گا خود۔“

شفقت صاحب کو بھی لے چلیں۔“

جہاں آرا نے فوراً کہا۔ ”خیر شفقت صاحب پر تو آپ کرم فرمائیں۔
ایک وقت اتنا بیکار نہیں ہے کہ آپ لوگوں کی طرح کلب میں جا کر گنوائیں۔
آپ دونوں کو جانا ہے تو تشریف لے جائیے۔“
میں نے کہا۔ ”غالباً خود شفقت صاحب کو بھی ری یا برج وغیرہ سے
دلچسپی نہیں ہے۔“

شفقت صاحب نے ایک ادائے دلبری کے ساتھ فرمایا۔ ”جی ہاں!
میں اس قسم کے کھیلوں سے دلچسپی نہیں رکھتا۔ مناسب یہی ہے کہ آپ دونوں
تشریف لے جائیں۔“

ہاشم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”بہتر ہے جناب آپ تشریف رکھئے۔ ہم
تو کاروباری آدمی ہیں ہم کیوں دیر کریں۔“

اور ہم دونوں وہاں سے رخصت ہو کر کھانے کے کمرے میں سب
سے آئے۔ ادھر جہاں آرا شفقت کو لے کر گول کمرے میں آگئی۔ جہاں آرا
نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں صاحب! کل ہم لوگ آپ کی نزہت
کے در دولت پر حاضری دے آئے ہیں۔“

شفقت نے چونکتے ہوئے کہا۔ اچھا یعنی نج صاحب کے یہاں پہنچ
گئیں۔ آپ پھر۔۔۔ پھر کیا ہوا؟“

جہاں آرا نے کہا۔ ”ہوتا کیا۔ وہاں جا کر سب سے ملے اور نزہت
سے ملک کر میں تو اس نتیجے پر پہنچی کہ آپ جو کھیل مجھ سے کھیل رہے ہیں اس

(۳۱)

جہاں آرا نے اپنے فن اداکاری کو شفقت سے پچھلی ملاقات میں جس
برہنہ کی طرح ناکام ثابت کیا تھا۔ آج وہ اس کی تلافی کرنا چاہتی تھی اور اس کی
خوابش تھی کہ آج سب ہی موجود ہوں۔ چنانچہ مقررہ وقت پر نج صاحب چچی
اور نزہت تو براہ راست ہاشم کے گھر پہنچ گئے اور میں شفقت کو لے کر بعد میں
پہنچا۔ جس وقت میں شفقت کے ہمراہ پہنچا ہوں جہاں آرا اور ہاشم برآمد
ہی میں ہم کو مل گئے اور مجھ کو دیکھتے ہی ہاشم نے کہا۔

”بندہ نواز اگر آپ تھوڑی دیر اور نہ آتے تو میں گاڑی بھیجتا۔ کلب
میں ہم دونوں کا نہایت بے چینی سے انتظار ہو رہا ہوگا۔ میرے خیال میں آج

میں میری سراسر ہار اور آپ کی سراسر جیت ہے۔“

شفقت نے بڑے اضطراب سے پوچھا۔ ”بخدا میں بالکل نہیں سمجھا کہ آپ کا مطلب کیا ہے؟ آپ ذرا تفصیل سے بتائیے تو شاید کچھ سمجھ میں آ سکے کہ یہ نتیجہ آپ نے کن باتوں سے نکالا ہے۔“

جہاں آرانے بڑی کامیاب اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ”ذرا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہئے کہ آپ کو نزہت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ نزہت کو آپ سے ہے۔“

شفقت نے بڑی متانت سے کہا۔ دیکھو بھی جہاں آرا جہاں تک میرا تعلق ہے میں قسم کھا کر اور قسم بھی تمہاری کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ چھوٹے گاؤں سے کیا ناٹھ؟ اس میں شک نہیں کہ نزہت سے جذباتی طور پر میں وابستہ ضرور تھا مگر اب میرے دل کے کسی گوشے میں اس کا خیال تک نہیں ہے۔ لیکن نزہت کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر اس کو اب تک میرا خیال ہے تو میں اس کے اس خیال خام کا ذمہ دار نہیں۔“

جہاں آرانے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”بجا ارشاد ہوا بقول شخصے۔“

یہ کہہ چکے ہیں کہ مطلب نہیں ہے کچھ مجھ سے

مگر وفا میں میری آزمائے جاتے ہیں

اگر جناب کے دل کے کسی گوشے میں اس کا خیال تک نہیں ہے تو اب تک اس گھر کے حالات معوم کرنے کے لئے آپ نے وہاں جاسوس کیوں چھوڑ رکھے ہیں جو ذرا اسی بات آکر آپ کو بتاتے ہیں۔“

شفقت نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ”وہ اس کی وجہ نزہت سے میری دلچسپی نہیں ہے بلکہ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ نزہت کے والد یعنی نج صاحب میرے چچا بھی ہیں اور ایسے چچا جو میری تمام جائیداد اور میرے تمام روپے پر غاصبانہ قبضہ کئے بیٹھے ہیں۔ میں دولت آسانی سے ان کو ہضم نہ کرنے دوں گا۔ بہر حال یہ تو ایک علیحدہ بڑا تفصیل طلب مسئلہ ہے مگر بخدا نزہت سے مجھ کو کوئی دل چسپی نہیں بلکہ اب تو میں اپنی اس دلچسپی پر ہنستا ہوں جو مجھ کو اس سے تھی۔ اچھا آپ ہی بتائیے کہ نزہت میں آخر میرے ایسے آدمی کے لئے کیا کشش ہو سکتی ہے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”کیوں آخر برائی کیا ہے اس میں؟ میں تو اس کو نہایت خطرناک قسم کی حسین لڑکی سمجھتی ہوں۔“

شفقت نے ذرا مسکرا کر کہا۔ ”یہ بات ذرا آئینہ دیکھ کر فرمائیے۔ بخدا نزہت اگر ہزار مرتبہ پیدا ہو۔ اور ہر مرتبہ اپنے حسن میں اضافے کے ساتھ پیدا ہو تو بھی وہ اس حسن کے سامنے ماند ہی نظر آئے گی۔“

جہاں آرانے ذرا شرمانے کے انداز سے کہا۔ ”خیر آپ مجھ کو بنانے کو تو رہنے دیجئے۔ آپ کا اور آپ کی نظر انتخاب کا کیا اعتبار۔ ممکن ہے کہ کل پھر آپ کو اپنی اس دلچسپی پر اسی طرح ہنسنا پڑے جس طرح اپنی پچھلی دلچسپی پر آج کل آپ کو ہنستی آتی ہے۔ آپ تو اس قوم کے فرد معلوم ہوتے ہیں جس کا قومی ترانہ یہ ہے کہ

”تم نہیں اور سبھی اور نہیں اور سبھی“

شفقت نے کہا۔ ”وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہیں ہے مگر میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مجھ کو ہاشم کی قسمت پر رشک ہے۔“

جہاں آرانے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”بائے خدا کے لئے اس بد قسمت کی قسمت پر رشک نہ کیجئے۔ جس کی بیوی اس سے اتنی متنفر ہے کہ آج آپ کے ایسے ہر جائی کو اس کے مقابلے میں بسا غنیمت سمجھتی ہے۔“

شفقت نے ذرا سا آگے جھک کر کہا۔ ”پھر تم نے ہر جائی کہا مجھ کو۔“
جہاں آرانے کہا۔ ”اچھا یہ بتائیے کہ سچ مچ آپ نے سچ صاحب کے یہاں اپنے جاسوس کیوں چھوڑ رکھے ہیں؟ یہ تو خیر میں نہیں کہہ سکتی کہ صرف اپنی جائیداد اور روپیہ کے لئے یہ سب کچھ آپ نے کیا ہے۔ جائیداد اور روپے کے لئے اس جاسوسی کی کیا ضرورت تھی؟“

شفقت نے کہا۔ ”مگر سوال تو یہ ہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“

جہاں آرانے تپ چال چلی۔ مجھ سے خود نزہت نے کہا کہ جن تانگے والا اور نج صاحب کا خانساں وہاں آپ کے جاسوس ہیں اور یہی دونوں آپ کی ایک ایک خبر نج صاحب کو پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ نج صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ آپ مولانا کے ساتھ میرے یہاں آتے ہیں اور اسی وجہ سے آجکل نج صاحب مولانا سے کچھ بھڑکے ہوئے ہیں۔“

شفقت نے حیرت سے کہا۔ ”کمال ہے صاحب اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دونوں بد معاش دونوں طرف سے اپنا اُلوسیدھا کر رہے ہیں۔ جن تانگے والا تو خیر میرا براہ راست جاسوس نہیں ہے۔ مگر یہ خانساں تو برابر مجھ

سے رقیں اینٹھ رہا ہے۔ ابھی کل ہی پچیس روپے لے گیا۔ مگر بخدا اس کا کوئی تعلق اس سے نہیں ہے کہ مجھ کو نزہت سے کوئی دلچسپی ہے۔“

جہاں آرانے کہا۔ ”خیر کچھ بھی ہو۔ مگر اب میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے پوری طرح اطمینان کر لوں گی۔ ایسا نہ ہو کہ۔“

نہ خدا ہی بلا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر گئے رہے

ہم لوگ اندر بیٹھے بیٹھے گھبرا چکے تھے۔ لہذا میں نے ہاشم کو اشارہ کیا اور ہم دونوں کھانے کے کمرے سے نکل کر باہر سے گول کمرے میں آ گئے۔ میں نے آتے ہی کہا۔

”بھئی شفقت صاحب ہم دونوں تو اس وقت ایک کھانے پر پھنس گئے ہیں لہذا آپ ہاشم کی گاڑی پر تشریف لے جائیں تاکہ ڈرائیور آپ کو پہنچانے کے بعد ہم لوگوں کو لے جائے۔“

اور اس طرح شفقت کو رخصت کرنے کے بعد جب سب یکجا ہوئے تو نج صاحب نے گول کمرے میں آتے ہی کہا۔

”فل مارکس۔ آج تو تم نے بہت کچھ اس سے اُگلا لیا۔ معلوم ہوا کہ صرف پولیس آفیسر ہی نہیں بلکہ اس کی بیوی بھی تفتیش کی ماہر ہوتی ہے۔“

آج کی کامیابی پر سب ہی نے جہاں آرا کو مبارکباد دی۔ حد یہ ہے کہ ہاشم بھی آج اس کی قابلیت کے قائل ہو گئے۔“

سویرے کہاں؟

باشم نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ ”لغت ہے آپ پر بھائی صاحب! اس کو آپ سویرا کہہ رہے ہیں۔ دس بج چکے ہیں۔ میں پریڈ میں گیا ہوا تھا۔ واپسی میں خیال آیا کہ ذرا آپ کو دیکھتا چلوں۔ خدا کے لئے اب اٹھو، ستر سے۔“ اور یہ صرف زبانی ہی نہیں کہا۔ بلکہ مجھ کو بستر سے گھسیٹ کر کھڑا کر دیا۔ میں نے پوچھا۔

”آ خر ارادہ کیا ہے؟ کیا کوئی خاص پروگرام بنائے ہو؟“

باشم نے کہا۔ ”نہیں خیر کوئی خاص پروگرام تو نہیں۔ مگر اب اس شفقت والے قصے نے تو کافی بور کر دیا ہے۔ میں نے طے کیا ہے کہ آج میں اس ڈرامے کو ذرا کلاٹکس تک لے جاؤں۔“

میں نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”کیا مطلب؟ جناب کا اس ڈرامے سے کیا تعلق۔ اس ڈرامے کی مصنفہ یا ہدایت کار یا کردار جو کچھ بھی ہیں جہاں آ رہا ہیں جناب سے کیا واسطہ؟“

باشم نے اپنا خوفناک سگارسٹاگتے ہوئے کہا۔ ”میں نے جہاں آ رہا سے مشورہ کر لیا ہے اور طے بھی پایا ہے کہ آج میں کھلم کھلا شفقت کے سامنے آ جاؤں۔“

میں نے کہا۔ ”اگر جہاں آ رہا کی یہی رائے ہے تو ٹھیک ہے۔ مگر آخر اتنی جلدی کیا ضرورت تھی؟“

باشم نے کہا۔ ”جلدی کی ضرورت یہ تھی کہ ہر کھیل کا ایک اختتام بھی

(۳۲)

آج کا بچہ بند تھا۔ لہذا میں باقاعدہ تعطیل منارہا تھا۔ میرا باقاعدہ تعطیل منانے کا طریقہ یہ ہے کہ ناشتہ بھی بستر پر ہواور شیونہ کیا جائے۔ چنانچہ بستر پر پڑا اخبار پڑھ رہا تھا کہ ایک دم دھڑ سے دروازہ کھلا اور باشم اپنی وردی میں اس طرح کمرے میں آ گئے۔ جیسے واقعی وارنٹ لے کر آئے ہوں میں ابھی انہیں بھی نہ پایا تھا کہ اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”عجیب نجس قسم کے آدمی ہو۔ یعنی اب تک جناب بستر پر ہی ہیں۔ میں اسی لئے تعطیل کا مخالف ہوں کہ انسان افیون گھولنے لگتا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”اور یہ جناب اس خوفناک وردی میں سویرے

ہوتا ہے۔ خود جج صاحب کی رائے اب یہ ہے کہ ٹھیل ختم کیا جائے۔“

میں نے کہا۔ ”جج صاحب کی یہ رائے جناب کو کیسے معلوم ہوئی؟“

ہاشم نے کہا۔ ”حضور والا اس سگار کو دیکھ کر بھی آپ نہیں سمجھے کہ میں

ان ہی کے پاس بیٹھ کر آ رہا ہوں۔ وہ اس وقت آپ کا کمرہ ٹھیک کرانے میں

مصروف ہیں۔ استاد بڑے ٹائٹھ کا فرنیچر لگ رہا ہے تمہارے کمرے میں۔“

میں نے حیرت سے کہا۔ ”میرے کمرے میں؟ میرا کمرہ تو یہی ہے

جہاں آپ اس وقت رونق افروز ہیں۔“

”ہاشم نے کہا۔ ”جی نہیں آپ کے لئے وہ کمرہ درست ہو رہا ہے جو

جج صاحب کے کمرے کے برابر ہے اور اب تک مہمان خانہ بنا ہوا تھا۔ ذرا

جا کر تو دیکھو ایسے قیمتی پردے لگا دیئے گئے ہیں کہ یہ منہ اور مسور کی دال کی

کہاوت صادق آ رہی ہے۔“

عین اسی وقت جج صاحب نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ ”مولانا

ذرا تشریف لے چلے اور اپنا کمرہ ملاحظہ فرما لیجئے مگر آپ تو ابھی تک بخواب

نظر آتے ہیں۔“

میں نے شرمندگی سے کہا۔ ”جی ہاں ذرا چھٹی منار ہا تھا۔ بہر حال

آپ دونوں تشریف لے چلیں۔ میں ابھی حاضر ہوا۔ دس منٹ میں۔“

جج صاحب اور ہاشم کے جانے کے بعد میں نے واقعی پھرتی سے کام

لے کر اپنے کو دس منٹ تو نہیں مگر پندرہ میں تیار کر لیا اور اب جو

جا کر وہ کمرہ دیکھا کہ واقعی یہ تو اپنی اوقات سے کچھ بہت ہی زیادہ ہے تو دیکھ کر

دیکھتے ہی رو گئے۔ جج صاحب نے کہا۔ ”کیوں مولانا پسند آیا یہ نیا کمرہ؟ اور

وہ دیکھنے آپ کی نماز پڑھنے کی چوکی بھی موجود ہے۔“

میں نے کہا۔ ”صاحب یہ تو ایسا کمرہ ہے کہ شاید خود آپ کا کمرہ بھی

ایسا نہیں۔“

جج صاحب نے فرمایا۔ ”بہر حال اگر آپ کو اس کی ترتیب پر کوئی

اعتراض ہو تو یہ اعتراض براہ راست بے بی سے کیجئے گا۔ اس لئے کہ اس

کمرے کے سامان کا ذمہ دار میں ہوں آرائش اور ترتیب میں بے بی کا

ہاتھ ہے۔“

نزہت نے جواب تک مغل پیس کو سجانے میں مصروف تھیں بڑے

تھک سہ فرمایا۔ ”اس کی ترتیب میں اب کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ یہ ایک مستقل

فن ہے اور اس گھر میں اس فن کو مجھ سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا۔“

میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور نزہت اپنی مرضی سے جس طرح

کمرے کو آراستہ کیا تھا۔ اس میں واقعی کوئی خامی نظر بھی نہیں آتی تھی۔ جج

صاحب نے ملازموں کو ہدایت کر دی کہ میرا تمام سامان احتیاط سے اٹھا

لائیں اور جس طرح نزہت ہدایت کریں اسی ترتیب سے اس کمرے میں

رکھ دیں۔ مختصر یہ کہ ہاشم کے جانے کے بعد بھی آج دن بھر یہ انتقال مکانی

ہوتا رہا اور سہ پہر کو جب اس جھگڑے سے چھٹی ملی تو جج صاحب نے جلدی

شروع کر دی کہ ہاشم کے یہاں پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے۔ چنانچہ پہلے تو

میں نے جج صاحب چچی اور نزہت کو ہاشم کے یہاں پہنچایا۔ پھر شفقت کو

لینے کا بچہ پہنچ گیا جہاں شفقت مقررہ وقت پر جمع بنے تشریف لے آئے اور میں ان کو لے کر ہاشم کے یہاں جو پہنچا۔ وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ ہاشم پھرے ہوئے شیر کی طرح اپنی وردی پہنے ٹہل رہا تھا اور جہاں آرا ایک زخمی خوردہ شیرنی کی طرح بیٹھی تھلا رہی تھی۔ ہم دونوں کو دیکھتے ہی ہاشم نے گرج کر کہا۔

”میں آج ہی فیصلہ کر کے رہوں گا کہ تم کو میرا ساتھ دینا ہے یا اس شخص کا۔“

اور یہ کہہ کر جو انگلی شفقت کی طرف اٹھائی ہے تو شفقت نے میری آڑ میں آتے ہوئے کہا۔ ”میرے خیال میں ہم لوگوں کو واپس چلنا چاہئے۔“ جہاں آرا نے مکمل اداکاری کے ساتھ کہا۔ ”یہ فیصلہ تو میں خود چاہتی ہوں۔“

ہاشم نے اور بھی کڑک کر کہا۔ ”مگر یہ فیصلہ اس آسانی کے ساتھ نہ ہوگا۔ اس کا فیصلہ یہ ریو اور کرے گا جس کو اسی کا رخیر کے لئے میں نے بھر رکھا ہے۔“

میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”یہ کیا وہابیات ہے ہاشم ٹھنڈے دل سے بات کرو اور کچھ بتاؤ تو سہی کہ واقعہ کیا ہے؟“

ہاشم نے کہا۔ ”مولانا آپ کو نہیں معلوم کہ اس گھر میں کیا ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے یہ لو فر جو اس وقت آپ کے ساتھ آیا ہے۔ میرا گھر تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ مجھ کو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے اور آج میری غیرت مجھ سے دو ٹوک

فیصلہ کرنا چاہتی ہے اس شخص کو شرم نہیں آتی کہ یہ ایک شادی شدہ عورت کو مسلسل بہکا رہا ہے۔ اب بولتا کیوں نہیں چپ کیوں کھڑا ہے؟“

شفقت نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا۔ ”میں صرف یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نہیں بہکا رہا ہوں بلکہ مجھ کو بہکایا جا رہا ہے اور میں تو ان کو اپنی بہن ہی سمجھتا ہوں۔“

جہاں آرا نے منھیاں بھیج کر اپنی پوری آواز کے ساتھ کہا۔ ”بزدل، کمینہ! ذرا سی دھمکی میں سارے قول و قرار ختم ہو گئے۔ چلا تھا محبت کرنے ر

عشق بزدل پیشہ طلب گار مرد تھا
شفقت نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ ”مستمرہ“ یعنی میرا مطلب یہ کہ۔“ ہاشم نے پھر گرج کر کہا۔ ”مولانا اس مردہ کو میرے سامنے سے ہٹا دیجئے۔ رنہ ریو اور کی تمام گولیاں اس کے سینے میں پیوست کر دوں گا۔ اور اب مجھ کو دیکھنا ہے کہ یہ شخص کیونکر اس شہر میں رہتا ہے۔ نیل میں نہ سزا دوں تو نام بدل دیجئے گا میرا۔ دور ہو جا میرے سامنے۔“

میں نے شفقت کو بھاگ جانے کا اشارہ کیا اور واقعی ایسا دم دبا کر بھاگا کہ ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گئی۔ اس کے جانے کے بعد سب ہنسی سے اومٹے ہوئے باہر آگئے حد یہ ہے کہ چچی کو اس شدت سے ہنسی آرہی تھی کہ جیسے کوئی عظیم الشان عمارت زلزلے میں مبتلا ہو۔ اس سین پر سوائے ہنسنے کے ہم میں سے کوئی تبصرہ کرنے کے قابل نہ تھا۔“

کافی ہے کہ میں آپ کی شفقت سے محروم ہوں اور اب مجھ کو محسوس ہو رہا ہے کہ میں تمہاری اسی قابل بلکہ جتنی ذلتیں بھی مجھ کو حاصل ہوں وہ کم ہیں۔ میں یہ عریضہ صرف اس لئے لکھ رہا ہوں کہ بعض وجوہ کی بنا پر میرے لئے اب یہ ممکن نہیں رہا کہ میں اس شہر میں رہ سکوں۔ لہذا قبل اس کے کہ میری خانہ بدوشی شروع ہو۔ میں صرف اتنی اجازت چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ آپ کے قدموں پر گر کر ندامت کے دو آنسو بہا دوں۔ آپ کی فیاضی سے امید ہے کہ مجھ کو یہ موقع ضرور دیں گے۔“

آپ کا محروم شفقت
شفقت

میں نے خط پڑھ کر جج صاحب کی طرف دیکھا تو وہ بولے۔ ”یہ کل جو کچھ دوا ہے اسی کا تاثر ہے اور اس کو اب یقین ہو گیا ہے کہ ہاشم اس کو اس شہر میں رہنے نہ دے گا۔“

میں نے کہا۔ ”جو کچھ بھی ہو۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ آج آپ شفقت صاحب کو بلا ضرور لیں۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”میری بھی یہی رائے تھی بلکہ میں اس موقع پر ہاشم اور جہاں آرا کو بھی بلانا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ پروگرام میں بہت ہی دلچسپ بنانا چاہتا ہوں۔ بہر حال تم شفقت کو بھی اطلاع کر دینا اور ہاشم اور جہاں آرا کو بھی پھر دیکھو۔ آج شام کو کیسی رونق ہوتی ہے۔“

(۳۳)

ابھی میں کالج جانے کے لئے کمرے سے نکلا ہی تھا کہ جج صاحب نے مجھ کو آواز دے کر روکا۔ اور وہ ایک لفافہ لئے ہوئے میری طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ ”لیجئے صاحب آپ کے ممدوح مکرم شفقت صاحب کا گرامی نامہ موصول ہو گیا ہے ذرا ملاحظہ فرمائیے اس کو۔“

میں نے خط لے کر پڑھنا شروع کیا۔

”عم محترم و معظّم! اس سے قبل کہ آپ مجھے ناخلف کا یہ عریضہ دیکھ کر غصے سے چاک کر دیں۔ میں آپ کو آپ کی شفقت کا واسطہ دے کر صرف یہ التجا کرتا ہوں کہ اسے پڑھ ضرور لیجئے۔ اپنے تمام اعمال کی سزا میرے لئے یہی

میں نے حج صاحب سے رخصت ہو کر گلی بچھا اور اسی گلی میں
 لے گئے کے بعد جب اسٹاف روم میں والیس آیا تو جیسے اس نے مجھے ایک نمبر دیا
 کہ اس نمبر پر بات کر لیجئے۔ یہ نمبر میرے لئے تیار تھا۔ اسی نمبر سے شفقت
 اکثر قیون کیا کرتے تھے۔ لہذا میں نے یہ نمبر ملا کر شفقت صاحب سے بات
 کر لی اور ان سے کہہ دیا کہ قیون پر تفصیلی بات نہیں ہو سکتی۔ آپ خود ہی آکر
 مل لیجئے اس کے بعد یا ٹم اور جیلاں آکر حج صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔ مگر
 ان سے معلوم ہوا کہ حج صاحب براہ راست بھی ان کو مطلع کر چکے ہیں۔ حج
 صاحب یہ تو خیر صبح ہی کہہ چکے تھے کہ وہ آج کے اجتماع کو بیت ہی بارونہ
 بنانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اس جلسے میں اتنے بے تاب بھی
 ہیں کہ مجھ سے کہہ چکے کہ یہ جو یا ٹم اور جیلاں آکر ان کو خود بھی اطلاع
 کروا دی۔ بہر حال میں ابھی ان سے بات تو ان کے بعد اجتماع کی وہ سن ہی
 گئی جیلاں دیکھتے پایا تھا کہ شفقت صاحب پر جو دھمک اور ہراسانہ حال
 آچو جو ہوئے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے وہی بات کہیں جو مجھ کو
 معلوم تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

”بھئی کل کا تھا تو ایسا کیا تک ہو گیا کہ وہ بخود نہ گیا۔ بہرحال آج
 آپ نے حج صاحب کو جو خط لکھا ہے وہ یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ حج صاحب
 نے آج آپ کو یہاں سے بلایا مجھ سے کہہ کر کہ میں آپ کو اپنے ساتھ لے

چلیں۔“

شفقت نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”بھئی میں بھی چاہتا تھا مولانا کا اس
 موقع پر آپ میری ہججری فرمائیں اور جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ میری
 طرف سے آپ کہہ دیں۔ میں ان کے سامنے کچھ کہہ نہ سکوں گا۔“
 میں نے کہا۔ ”آپ اطمینان رکھئے میں آپ کی پوری مشکلات
 کروں گا۔“

شفقت نے کہا حج صاحب ہی اگر چاہیں گے تو یا ٹم کے اہتمام سے
 مجھ کو بچا سکیں۔ مگر نہ یہ پولیس والا تب ہی کچھ کر سکتے ہیں۔“
 میں نے شفقت کو ہر طرح سے اطمینان دلایا تھا۔ مگر اس کے
 باوجود جب وہ میرے ساتھ چلنے لگا تو اس کی حیرت یقرہ عید کے نمبر سے کی
 سی تھی۔ جس کو قطعی نے طلب کیا ہو۔ میں نے دیکھا کہ وہ رات بھر کچھ
 بددلتا بھی رہا۔ مگر کچھ عطف پڑھ دیا ہوگا۔ بہر حال جس وقت ہم لوگ
 حج صاحب کی کوئی پر پتے میں تو یہاں انشائیہ پڑھ رہے تھے۔ پڑے قریب سے
 لان پر صوفے تک لگے ہوئے تھے اور علاوہ دوسرے تنگناں کے کچھ پار
 بھول بھی نظر آ رہے تھے مجھ کو یہ اہتمام دیکھ کر بڑی غمی آئی کہ مجھ سے جوئے
 بچنے سے ملنے کے لئے حج صاحب نے یہ اہتمام کئے ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر حج
 صاحب نے نعرہ بلند کیا۔

”آئیے مولانا نے محرم! بھئی مولانا غلط ہے میں چاہتا ہوں کہ آج
 سے تم کو شباب ہی کہا کروں۔ مگر نہرت کی نذر انگلی سے ڈرتا ہوں اس لئے

کہ یہ نام اسی کا رکھا ہوا ہے۔“

میں نے شفقت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں ان کو لے آیا ہوں اور اس ذمہ داری پر لایا ہوں کہ آپ سے ان کو معاف کرادوں گا۔“

قبل اس کے جج صاحب کچھ کہتے شفقت نے واقعی اپنے کو ان کے قدموں پر گرادیا اور جج صاحب ”ہائیں ہائیں“ کہتے ہی رہ گئے اسی وقت چچی اور نزہت بھی باہر آگئیں۔ آج تو نزہت نے بھی کمال ہی کر دیا تھا کہ بال بال موتی پروئے ہوئے تھیں اور خلاف عادت کچھ شرمانے کی بھی کوشش کر رہی تھیں۔ بہر حال ان سب نے بھی شفقت اور جج صاحب کی یہ کشاکش دیکھ لی۔ جج صاحب نے میرے کو نہ جانے کیا اشارہ کیا کہ وہ میرے کمرے کی طرف دوڑا اور فوراً ہی ہاشم اور جہاں آرا میرے کمرے سے نکل کر آگئے۔ جج صاحب نے ہاشم کو اشارے سے بلا کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود وہاں سے کھسک گئے۔ اب منظر یہ تھا کہ شفقت ہاشم کے قدموں پر پڑے ہوئے گڑگڑا رہے تھے اور ہاشم صاحب اکڑے ہوئے کھڑے تھے۔ آخر انہوں نے شفقت کو اٹھا کر کہا۔

”خیر آئندہ اس کا خیال رکھنے گا کہ عشق کے ساتھ شرافت کا ہونا بھی ضروری ہے اور اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ جو میری بیوی ہیں ان کی اصلیت صرف یہ ہے کہ یہ میری بیوی ہیں۔ باقی جو کچھ ہے وہ اداکاری۔“

ہاشم کو دیکھ کر شفقت کے دیوتا یوں ہی کوچ کر گئے تھے۔ اس جہاں

آرا کے قہقہے اسے اور بھی ختم کئے دیتے تھے۔ جج صاحب نے بڑے اطمینان سے فرمایا: ”رہ گئی میری ناراضگی تو میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ایسے بے وقوفوں سے ناراض ہونا بھی نہیں چاہتا جو حماقت کی اس بلندی پر جلوہ افروز ہوں جس پر جناب نظر آتے ہیں۔ بخدا مجھے تو شبہ بھی نہ تھا کہ خود میرے خاندان میں اس دور کا عظیم المرتبت احمق موجود ہے جس کو یہ آج کل کی لڑکیاں بدھو بنا کر چھوڑ دیں۔“

جہاں آرا نے احتجاج کیا۔ ”انکل آپ نے پھر میرے آرٹ کی توہین کی۔“

ہاشم نے کہا۔ ”مگر انکل شفقت صاحب سے ملنے کی خوشی میں آپ نے آج اہتمام تو بہت کئے ہیں۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”جی نہیں۔ یہ اہتمام اس ملاپ کے نہیں ہیں بلکہ ابھی میں آپ کو ایک کرتب اور دکھاتا ہوں۔“

اور یہ کہہ کر اپنی جب سے ایک ڈیبا نکال کر مجھ کو دیتے ہوئے کہا۔

”بھئی مولانا! یہ انگوٹھی اپنے ہاتھ سے نزہت کو پہنا دو اور نزہت ڈارلنگ یہ دوسری انگوٹھی تم ان کو پہنا دو مولانا۔ پھر وہی مولانا۔ میرا مطلب ہے شہاب کو۔“

ہاشم اور جہاں آرا نے مارے خوشی کے تالیاں بجاتا شروع کر دیں۔ بچوں کی طرح اور میں بھی دنگ رہ گیا مگر جج صاحب نے مجھ کو خود آگے بڑھا

دیا تو میں نے انگوٹھی زہت کو پہنا دی۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ دوسری انگوٹھی
 مجھ کو پہنائے اب جو بھاگی ہے وہاں سے تو سب اس کی اس غیر متوقع شرم پر
 ہستے ہستے لوٹ گئے۔ آخر حج صاحب نے مجھ ہی سے کہا کہ ”تم خود چلے جاؤ۔
 وہ پہنا دے گی انگوٹھی“ چنانچہ میں نے جا کر جو دیکھا تو مجھ کو مولانا کہنے والی خود
 مولانا بنی کھڑی نماز پڑھ رہی تھی۔ اس نے سلام پھیرا۔ تو میں نے کہا۔ ”اٹا
 مولانا۔“ اور اس نے ہنس کر انگوٹھی مجھ کو پہنا دی۔“

پاکستانی یو اینٹ طارق اقبال